فتح الله الأحد

بتوضيح

الأدب المفرد

جلد اوّل

لمحمد بن إسماعيل الإمام البخاريؒ ٢٥٦ھ

از افادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

مکتبۂ محمودیہ محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

فتح الله الأحد

بتوضيح

الأدب المفرد

لمحمد بن إسماعيل الإمام البخاري رح ٢٥٦ھ

ازافادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

مکتبۂ محمودیہ محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حامدًا وّمصلیاً وّمسلماً

مرشد العلماء سیدی وسندی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی بروز ہفتہ بمقام سورت مجالس کا سلسلہ اکابرین کے ایماء پر پچھلے کئی سالوں سے جاری ہے، اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی ''ریاض الصالحین'' کی مجالس کل پندرہ جلدوں پر مشتمل بنام ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' طبع ہوکر خواص وعوام میں بے پناہ مقبول ہوچکی ہیں۔

اسی سلسلہ کی دوسری کڑی امام بخاری علیہ الرحمۃ کی ''الادب المفرد'' ہے جس کی ترتیب وتبویب کی سعادت راقم السطور کو حاصل ہوئی، وللہ الحمد۔

حضرت دامت برکاتہم کا -مثالوں، اکابرین کے اقوال وواقعات کے ذریعہ سے- مؤثر طریقۂ افہام وتفہیم ہر اُس شخص کو بخوبی معلوم ہے جس نے آپ کی تقریر ووعظ کو سنا ہے، اور آپ کی تحریر پڑھی ہے، اور وہ بلاشبہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا واقعی مصداق ہے۔

مجالس الادب المفرد کا حصۂ اوّل حضرت دامت برکاتہم کے متوسلین ومعتقدین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت وتوفیق پر اوّلاً اللہ رب العزت کا شکر ادا کررہے ہیں، اور ثانیاً ان تمام معاونین کا جنھوں نے اس کی ترتیب میں جس قدر بھی حصہ لیا ہو، فجزاهم الله أحسن الجزاء في الدارين .

قارئین اگر اس کتاب میں کوئی فروگذاشت پائیں تو اس کا ذمہ دار یہ ناتجربہ کار راقم الحروف ہے، لہٰذا اس پر تنبیہ کرنے کی صورت میں حق واضح ہو جانے کے بعد بلا پس و پیش بعد کے ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے گی۔

جمع وترتیب: ابراہیم بن یوسف اِٹالوی
مدرس اسلامی دعوہ اکیڈمی، لیسٹر، برطانیہ
۲۳/رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ
مطابق ۲۹/جون ۲۰۱۶ء بروز چہار شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لیے نصیحت ہے، آپ کے حالات پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں: سِیَر أَعْلَامِ النُّبَلاءِ سے آپ کے حالات کے کچھ اقتباسات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب

آپ کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور لقب امیر المؤمنین فی الحدیث ہے، آپ کے والد کا نام اسماعیل، دادا کا نام ابراہیم، پردادا کا نام مغیرہ، اور مغیرہ کے والد کا نام بَرْ دِزْ بَہْ ہے، بردزبہ فارسی زبان میں کاشت کار کو کہتے ہیں، ان کا پیشہ کاشت کاری کا تھا، اس وجہ سے ان کو بردزبہ کہتے ہیں اور بردزبہ مسلکاً مجوس یعنی آتش پرست تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جعفی کہنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے بردزبہ کے بیٹے مغیرہ کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی اور وہ یمان الجعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، یمان بخارا کے ایک صاحب منصب آدمی تھے، قبیلۂ جعفی سے تعلق رکھتے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا مغیرہ اور یمان کے درمیان عقد موالات قائم ہوا۔

عقدِ موالات کا مطلب

اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اس حال میں اسلام قبول کرتا ہے کہ اس کا پورا خاندان کافر ہے، اور وہی اکیلا مسلمان ہے، یہ شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس کے ساتھ یہ عقد کر لیتا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی جنایت یا کوئی قصور یا کوئی ایسا جرم ہو جائے جس کی وجہ سے مجھے تاوان یا دیت دینی پڑے، مثلاً غلطی سے مجھ سے کسی کا ہاتھ کٹ جائے، یا کسی کو جانی نقصان پہنچ جائے تو آپ دیت ادا کرنے میں میری مدد کریں گے، اور اس کے بدلے میں جب میرا انتقال ہو جائے آپ میرے مال کے وارث ہوں گے، اس معاملہ کو عقد موالات کہتے ہیں۔

مسئلہ: مسلمان کافر کے مال کا اور کافر مسلمان کے مال کا وارث نہیں ہوتا، مثلاً بیٹا مسلمان اور باپ کافر ہے یا بیٹا کافر اور باپ مسلمان ہے، اور دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو دونوں ایک دوسرے کے مال کے وارث نہیں ہوتے، اس لیے کہ شریعت کا حکم ہے کہ دو مختلف مذہب کے لوگ آپس میں وارث نہیں ہوتے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچائے تو اس نقصان کا ضمان یعنی دیت، یا تاوان اس کے خاندان پر لازم ہوگا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور دادا

مغیرہ کے بیٹے ابراہیم یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کے حالات مؤرخین نے ذکر نہیں کیے ہیں، ہاں ابراہیم کے بیٹے اسماعیل یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے حالات مؤرخین نے ذکر کیے ہیں اور ان کو معتبر محدثین میں شمار کیا ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ کی ایک بہت مشہور کتاب ہے ''الثقات'' اس میں انہوں نے صرف ثقہ راویوں کے حالات جمع کیے ہیں۔اس کتاب میں انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اسماعیل کا حضرت حماد بن زید اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما سے روایت لینے کا ذکر کیا ہے۔اور امام ابن حبان کا اپنی کتاب الثقات میں کسی راوی کا تذکرہ کر دینا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ راوی ان کے نزدیک قابل اعتبار اور ثقہ ہے،اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد ثقہ محدثین میں سے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے کہ میرے والد نے حماد بن زید اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما سے روایت لی ہے اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ کی پیدائش

آپ کی پیدائش شبِ جمعہ ۱۳ ر شوال ۱۹۴ ر ھ میں ہوئی،اور پیدائش کے کچھ ہی دنوں بعد آپ کے والد کی وفات ہوگئی،اس لیے آپ کو اپنے والد کے علوم سے استفادہ کا موقع نہیں ملا۔آپ نے اپنی والدہ کی آغوش میں پرورش پائی۔

والدہ کی دعا

بچپن میں آپ کی بینائی چلی گئی تھی،آپ کی والدہ آپ کی بینائی کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری سے دعائیں کیا کرتی تھیں۔ایک رات آپ کی والدہ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت کی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی والدہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا سن لی ہے اور تمہارے بیٹے

کی بینائی لوٹا دی ہے، صبح جب اٹھیں تو دیکھتی ہیں کہ آپ کے بیٹے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بینا ہیں۔

مکتب ہی میں حدیث کا شوق

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب والدہ محترمہ نے مجھے قرآن مجید حفظ کرنے کے لیے مکتب میں بٹھایا اس وقت اللہ تبارک وتعالی نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں حدیثیں یاد کروں۔

آپ نے مکتب کی تعلیم سے فراغت پاتے ہی بخارا کے مشہور محدث امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیثیں پڑھنی شروع کر دیں اور بچپن ہی میں متنِ حدیث میں مہارت کے ساتھ ساتھ سندِ حدیث پر بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔

بچپن میں آپ کے حافظہ کا عالم

بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محیر العقول حافظہ دیا تھا، ابھی تو آپ بچے تھے کہ اس زمانہ میں آپ کے استاذ نے یہ شہادت دی تھی کہ اس بچے کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔یعنی ستر ہزار حدیثیں متن اور سند دونوں کے ساتھ یاد تھیں۔

متن اور سند

متنِ حدیث سے پہلے راوی اپنے استاذ سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جن راویوں کا ذکر کرتا ہے اس کو محدثین کی اصطلاح میں سند کہتے ہیں۔اس کے بعد راوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا، اس کو متن کہتے ہیں۔

بچپن ہی میں فن حدیث میں مہارت

متنِ حدیث اور سند حدیث میں مہارت کا اپنا ایک واقعہ خودامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میرے استاذ محدث داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک حدیث کی سند یوں بیان فرمائی: عن سفیان عن أبي الزبیر عن إبراهیم، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابوالزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔

چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بچے تھے بچے، اور استاذ پختہ تجربہ کار محدث تھے، اس لیے انہوں نے آپ کو جھڑک دیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ باادب عرض کیا کہ جس کاپی میں آپ نے یہ سند لکھی ہے اس کاپی کو دوبارہ دیکھ لیں۔ امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ اندر تشریف لے گئے اور کاپی دیکھ کر واپس باہر تشریف لائے اور آپ سے سوال کیا کہ تم ہی بتلاؤ صحیح کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ هُوَ الزُّبَیْرُ بنُ عَدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ. امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے قلم لیا اور فرمایا مجھ سے غلطی ہوئی آپ کی بات صحیح ہے، سفیان نے ابوالزبیر سے اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے بلکہ زبیر بن عدی سے نقل کیا ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ اُس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ آپ نے فرمایا گیارہ سال! صرف گیارہ سال کی عمر، پھر بھی اللہ تعالی نے متنِ حدیث اور سندِ حدیث کا ایسا علم اور استحضار عطا فرمایا تھا کہ اپنے استاذ کی ایک فروگذاشت پر ان کو متوجہ کیا۔

سولہ سال کی عمر تک امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ علم حدیث حاصل کرتے رہے، اس عرصے میں آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع رحمۃ اللہ علیہما

کی کتابیں حفظاً یاد کر لی تھیں۔

حجاز مقدس میں قیام

آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کے بڑے بھائی احمد کے ساتھ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو والدہ نے آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ حج سے فراغت کے بعد والدہ محترمہ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو آپ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں مزید یہاں رہنا چاہتا ہوں، اس لیے کہ حجاز علم حدیث کا مرکز ہے اور بڑے بڑے محدثین اور مشائخ یہاں موجود ہیں میں ان سے بھی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ کی والدہ محترمہ اپنے وطن بخارا لوٹ آئیں اور آپ وہاں رک گئے اور وہاں کے مشائخ سے علم حدیث حاصل کیا۔

نوعمری میں آپ کی سب سے پہلی تصنیف

ابھی آپ کی عمر اٹھارہ سال ہی کی تھی کہ سب سے پہلی کتاب آپ نے قضایا الصحابۃ والتابعین لکھی۔ یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اس کے بعد آپ نے دوسری کتاب اسماء الرجال پر التاریخ الکبیر کے نام سے مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس بیٹھ کر لکھی۔ اس میں آپ نے ہزاروں راویوں کا ذکر کیا ہے اور راویوں کی چھان بین کی ہے کہ یہ راوی معتبر ہے یا نہیں؟ ثقہ ہے، یا غیر ثقہ، ثقہ ہے تو کس درجہ کا ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ تاریخ کبیر کے اکثر راویوں کا کوئی نہ کوئی واقعہ مجھے یاد ہے، لیکن میں نے ان واقعات کا طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے تو بچپن ہی سے ایسی فہم نصیب کرتا ہے کہ عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

علم حدیث کی پیاس اور دور دراز ملکوں کا سفر

اس کے بعد تو آپ نے علم حدیث کی طلب میں شام، مصر، الجزیرہ، بصرہ، کوفہ، بغداد وغیرہ دور دراز ملکوں کا سفر کیا جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مراکز سمجھے جاتے تھے، خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے علم حدیث کو حاصل کرنے کے لیے شام، مصر اور الجزیرہ کے دو سفر کیے، بصرہ چار مرتبہ گیا، کوفہ اور بغداد تو اتنی مرتبہ گیا کہ مجھے اس کی گنتی یاد نہیں، جب بھی کسی شیخ کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ کوفہ یا بغداد میں ہیں ان کی خاطر کوفہ اور بغداد پہنچ جاتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس زمانے کے بڑے بڑے مشائخ سے علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

عالی سند کے حصول کے لیے آپ کے اسفار

آپ نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے مشائخ سے حدیث کا علم حاصل کیا اس کے لیے آپ نے دور دراز ملکوں کا سفر کیا، اور صرف حدیث کے حصول کے لیے ہی سفر نہیں کیا، بلکہ محض سند کے واسطوں کو کم کرنے کے لیے بھی آپ نے سفر کیا ہے، آپ کو معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ جو محدث رہتے ہیں ان کے پاس جو حدیث ہے وہ کم واسطوں والی ہے، اور آپ کے پاس وہی حدیث ہے مگر واسطے زیادہ ہیں تو محض واسطوں کو کم کر کے اپنی سند کو عالی کرنے کے لیے اس جگہ کا سفر کرتے۔

مصنف ابن عبد الرزاق کے مؤلف عبد الرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ

یمنی ہیں، اور بڑے محدثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ جب آپ کو ان کی سند عالی ہونے کا پتہ چلا تو آپ نے یمن جانے کا ارادہ کیا، لیکن آپ کو کسی نے یہ غلط خبر دی کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا ہے، اس وجہ سے آپ نے یمن کا سفر ملتوی کیا، کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ محدث عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ حیات ہیں، انتقال کی خبر غلط تھی، لیکن بعد میں یمن کے سفر کا موقع نہ مل سکا اس پر آپ افسوس کرتے تھے کہ ایک موقع تھا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہونے کے باوجود ان سے براہ راست حدیثیں روایت نہیں کرتے۔

آپ کے حافظہ کا ایک واقعہ

آپ کے ایک ساتھی حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ جب ہم بصرہ گئے اس وقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب استاذ حدیث بیان کرتے تو ہم سب طلبہ حدیث کو لکھ لیتے تھے، لیکن آپ نہیں لکھتے تھے۔ ہم آپ سے کہتے رہے کہ تم بھی عجیب آدمی ہو، سب طلبہ تو حدیثیں لکھ رہے ہیں اور تم نہیں لکھتے، تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو، اس لیے کہ جب آپ حدیثیں نہیں لکھیں گے تو یاد کیسے رہیں گی؟ ہم لوگ اس طرح سولہ دن تک مسلسل حدیثیں لکھنے پر آپ کو اصرار کرتے رہے، جب ہماری طرف سے اصرار بہت بڑھا تو آپ نے فرمایا تم نے ان دنوں میں جو کچھ لکھا وہ ذرا بتلاؤ؟ یہ کل پندرہ ہزار حدیثیں تھیں۔ آپ نے یہ ساری حدیثیں زبانی سنانی شروع کر دیں، اور بالکل صحیح اور ٹھیک سنائیں، یہاں تک کہ ہم نے آپ سے سن کر اپنی کاپیوں میں لکھی ہوئی حدیثوں کی اصلاح کرنی شروع کی۔ پھر آپ نے فرمایا کیا

اب بھی تم سمجھتے ہو کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں، اس دن ہم سب سمجھ گئے کہ آپ سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی سے غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا اور صرف اتنا ہی نہیں کہ حدیثیں یاد تھیں، بلکہ حدیثوں کے ساتھ صحیح اور سقیم سند کی علل پر بھی گہری نگاہ عطا فرمائی تھی، اس میدان میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

طالب علمی کے زمانے میں آپ کا مقام

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جب آپ بصرہ میں علم طلب کر رہے تھے، اس وقت طلبہ اور علماء آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتے اور آپ کی منت سماجت کرتے کہ آپ ان کو حدیثیں سنائیں، کبھی کبھی ہزار تک کا مجمع ہو جاتا۔ اور عجیب بات یہ کہ اس وقت آپ بالکل جوان تھے اور ابھی پوری داڑھی بھی نہیں نکلی تھی۔

تفریح کے بجائے علمی اشتغال

آپ کے ایک ہم درس اور ہم عمر ساتھی ہانی بن نضر کہتے ہیں کہ جب ہم ملک شام میں طالب علم تھے تو درس سے فراغت پر ہم تفریح کے لیے نکلتے تھے، لیکن آپ ہمارے ساتھ تفریح کے لیے نہیں آتے اور برابر اپنے علمی کاموں میں مشغول رہتے۔

آپ بیہودہ باتوں سے بہت پرہیز کرتے تھے، لوگوں سے لالچ نہیں رکھتے تھے اور لوگوں کی باتوں میں پڑنے سے بچتے تھے اور آپ کا پورا وقت علم میں گزرتا تھا۔

آپ کے حافظہ کا امتحان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں سے یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے آپ کا امتحان لینا چاہا، اس لیے کہ بغداد کے علماء نے آپ کے حافظہ کی شہرت سن رکھی تھی، آپ کا امتحان لینے کے لیے بغداد کے دس بڑے علماء جو فنِ حدیث میں ماہر تھے آپس میں بیٹھے اور یہ طے کیا کہ ہر آدمی دس دس حدیثیں منتخب کرے اور ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کی سند کے ساتھ ملا دے، اور دوسری حدیث کے متن کو پہلی حدیث کی سند کے ساتھ ملا دے، اس طرح دس حدیثیں ہر آدمی تیار کر لے گا تو سو حدیثیں تیار ہو جائیں گی۔

جب آپ بغداد پہنچے تو آس پاس کے لوگ بھی آپ کی زیارت کے لیے پہنچ گئے، اور وہاں بھی علمی مجلس منعقد ہوئی۔ جب مجلس برابر جم گئی تو ان دس حضرات نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے کچھ حدیثیں آپ کی توثیق حاصل کرنے کے لیے پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ نے قبول کر لیا، ان حضرات نے اپنی تیار کردہ حدیثیں ایک ایک کر کے آپ کے سامنے پڑھنی شروع کیں۔ جب پہلی حدیث آپ کے سامنے پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا لَا اَعْرِفُ میں یہ حدیث نہیں جانتا۔ پھر دوسری پڑھی گئی، تو یہی فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ پھر تیسری پر بھی وہی جواب فرمایا۔ اور یہ سلسلہ سو حدیثوں تک چلتا رہا اور سب کے جواب میں آپ لَا اَعْرِفُ فرماتے رہے، یعنی جس طرح یہ حدیثیں میرے سامنے پڑھی گئی ہیں اس طرح میں نہیں جانتا۔ وہاں جو علماء حضرات موجود تھے وہ سمجھ گئے کہ آپ کے لَا اَعْرِفُ کا کیا مطلب ہے؛ لیکن عوام یہ سمجھ

رہے تھے کہ اتنے بڑے محدث اور مشہور عالم ہونے کے باوجود ہمارے یہاں کے علماء نے جو سو حدیثیں سنائیں ان میں سے ایک کا بھی علم نہیں رکھتے۔

جب سو کی سو حدیثیں پڑھی جا چکی تھیں، تو اس کے بعد آپ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے جو حدیثیں سنائیں ان میں پہلی حدیث یوں سنائی، لیکن یوں نہیں ہے، بلکہ یوں ہے، سند میں فلاں علت ہے اور متن میں فلاں غلطی ہے، اور آپ نے دوسرے نمبر پر جو حدیث سنائی تھی وہ یہ ہے، لیکن وہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے، اس طرح آپ نے ان کی سو کی سو ردو بدل والی حدیثیں بالترتیب ان کو سنا دیں، اور ساتھ ساتھ ان میں جو نقص تھا اس کی طرف بھی نشاندہی فرمائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری کے مقدمہ میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ان حدیثوں میں جو نقص تھا ان کی نشاندہی کرنا اتنی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ آپ تو حدیث کے امام تھے اور غلطیوں کی نشاندہی کرنا تو آپ کا مشغلہ تھا، تعجب کی بات تو یہ تھی کہ جس ترتیب سے ردوبدل کے ساتھ انہوں نے وہ سو حدیثیں بیان کی تھیں وہ بھی آپ نے یاد رکھیں اور اسی ترتیب سے از اول تا آخر تمام حدیثوں کو صحیح متن اور صحیح سند کے ساتھ بیان کر دیا۔

آج ہم لوگ یہ دعوی تو کر سکتے ہیں کہ ہم رجال ونحن رجالا ور متقدمین محدثین کی طرح کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم ہم بھی لگا سکتے ہیں، لیکن کسی حدیث پر ضعف یا صحت کا حکم لگانا یہ کوئی بڑی بات نہیں، اصل تو یہ کہ ان احادیث کی علل بھی اس طرح بیان کرے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے، اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو نصرت الٰہی حاصل ہو۔

مذکورہ واقعہ بغداد کا ہے اسی قسم کا ایک اور واقعہ خراسان یا نیسا پور میں بھی پیش آیا، وہاں بھی علمائے کرام نے آپ کا امتحان لینے کی کوشش کی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہاں پر بھی سرخرو ہوکر اس مجلس سے نکلے۔

نماز کے موضوع پر احادیث

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ فلاں شخص آپ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ آپ کو نماز پڑھنا نہیں آتی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ: اگر وہ مجھ سے ایسی کوئی بات کہتا تو میں اس مجلس سے اس وقت تک نہ اٹھتا جب تک کہ اس کو نماز ہی کے بارے میں دس ہزار حدیثیں نہ سنا دیتا۔

فن اسماء الرجال میں مہارت کا ایک واقعہ

یوسف بن موسی المروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا کہ میں نے اعلان سنا کہ اے اصحاب علم! محمد بن اسماعیل البخاری بصرہ تشریف لائے ہیں تو میں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ محمد بن اسماعیل کو دیکھنے کے لیے چلا گیا، وہاں ہم نے ایک نوجوان کو ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نوجوان نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ آپ کے اردگرد بیٹھ گئے اور آپ سے درخواست کی کہ ان کے لیے مجلس منعقد کریں آپ نے منظور فرمالیا اور دوسرے دن مجلس منعقد ہوئی۔

جب دوسرے دن مجلس منعقد ہوئی تو کئی ہزار لوگ اکٹھے ہوگئے۔ آپ جب مجلس میں تشریف لائے تو فرمایا: میں ابھی نوعمر ہوں، لیکن تم لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ حضرات کی خدمت میں حدیثیں بیان کروں تو میں تم کو ایسی

حدیثیں بیان کروں گا جن کا تمھیں پہلے سے علم ہے، لیکن پھر بھی تمہیں نفع ہوگا، پھر آپ نے ایک حدیث منصور کے واسطے سے بیان فرمائی، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ: یہ روایت تمہارے پاس منصور کے واسطے سے نہیں پھر دوسری حدیث روایت کی اور فرمایا یہ حدیث تمہارے پاس شعبہ کے واسطے سے پہنچی ہے؛ لیکن جس سند سے میں نے بیان کیا وہ تمہارے پاس نہیں۔ اس طرح کئی روایتیں بیان کیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ بصرہ میں آپ ﷺ کی حدیثیں کن کن راویوں کے ذریعہ سے پہنچی ہیں اور کن کن راویوں کے ذریعہ سے نہیں پہنچیں، اور میرے پاس جو روایت بصری راوی کے واسطے سے پہنچی ہے اس میں کونسا راوی ایسا ہے جن سے بصرہ والوں نے روایت نہیں لی، یہ دعوی وہی آدمی کرسکتا ہے جس نے پورے شہر کے تمام راویوں کے حالات کا احاطہ کیا ہو۔

آپ کے مشائخ واساتذہ

مؤرخین نے آپ کے مشائخ واساتذہ کی تعداد متعین کرنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے آپ کے مختلف طبقات کے اساتذہ ومشائخ کی تعداد ایک ہزار اَسّی (۱۰۸۰) بتلائی ہے۔

آپ کی کسی تابعی سے ملاقات ثابت نہیں ہے، سب سے پہلا طبقہ جن سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے وہ تبع تابعین کا طبقہ ہے، تبع تابعین وہ ہیں جنہوں نے تابعین کو دیکھا ہو، تبع تابعین میں آپ کے دو استاذ ہیں، ایک ہیں مکی ابن ابراہیم، آپ کی بیشتر ثلاثیات انہی سے مروی ہیں۔

آپ نے بعض حدیثیں اپنے استاذ سے ایسی نقل کی ہیں جن میں آپ کے اور حضور ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، آپ کے استاذ، آپ کے استاذ کے استاذ اور آپ کے استاذ کے استاذ کے استاذ، پھر حضور ﷺ کا اسم گرامی آجاتا ہے، ان احادیث کو ثلاثیات کہتے ہیں۔

تبع تابعین میں سے آپ کے دوسرے استاد ابو عاصم النبیل ہیں، یہ آپ کے اونچے اساتذہ میں سے ہیں اور ان کی سند بہت اعلی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ مکی ابن ابراہیم اور ابو عاصم رحمہا اللہ دونوں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

آپ کے اساتذہ کا دوسرا طبقہ وہ ہے جو تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہوا اور تبع تابعین سے روایت کی، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

آپ کے تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے، آپ کے تلامذہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، لیکن ایک اعتبار سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے استاذ بھی ہیں، وہ اس طرح کہ کچھ روایات ایسی ہیں جو آپ نے اپنے شاگرد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع ترمذی میں دو حدیثیں ایسی ذکر کی ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سنیں، جب وہ حدیثیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں تو فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہذا ما سمع محمد بن اسماعیل منی یہ وہ حدیثیں ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے سنیں۔

امام مسلم، امام نسائی اور محدث ابوزرعہ رحمہم اللہ بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں،

محدث ابوزرعہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک بچے کی طرح آپ کے سامنے باادب ہوکر حدیثوں کے بارے میں آپ سے پوچھا کرتے تھے۔

آپ کی فہم حدیث کا واقعہ

امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے ایک بہت بڑے محدث ہیں، ایک دن آپ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، پوری مجلس علماء سے بھری ہوئی تھی، امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث سفیان ثوری کے واسطے سے یوں سنائی (حدثنا سفیان، قال حدثنا أبو العروة عن أبي خطاب عن أبي حمزة رضي الله عنه قال طاف النبي ﷺ على نسائه بغسل واحد) یہ مشہور حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور اخیر میں ایک ہی غسل فرمایا۔ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس حدیث کی سند پڑھی تو سب لوگ ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھنے لگے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ تو ہم نے کبھی نہیں سنی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، اصل میں ابوعروہ یہ کنیت ہے معمر کی، ابوالخطاب یہ کنیت ہے قتادہ کی اور ابوالحمزہ کنیت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی، اور سند یوں ہے حدثنا معمر قال حدثنا قتادة عن أنس بن مالك، سفیان ثوری نے لوگوں سے امتحان لینے کی خاطر راویوں کے نام لینے کے بجائے راویوں کی کنیت ذکر کی جس کی وجہ سے لوگ سمجھ نہ سکے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پہلی ہی نظر میں پہچان گئے۔

دراصل امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عادت کا ذکر کیا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی لوگوں کا امتحان لینے کے لیے سند میں راوی کا مشہور و معروف نام ذکر کرنے کے بجائے ان کی کنیت کا ذکر کرتے ہیں، یہ حدیث بھی انہوں نے اسی طرح بیان کی۔

امیر المومنین فی الحدیث ہونے کا سب نے اعتراف کیا

آپ کے نسب میں چوتھی پشت پر غیر مسلم ہے اور آپ عجمی النسل تھے، اہل عرب غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا کہتے ہیں اور عربی النسل کو عجمی النسل پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، سرکار دو عالم ﷺ انہی کے اندر تشریف لے آئے، وہیں تعلیم و تبلیغ فرمائی، اور اسلامی علوم کا اصلی سرچشمہ عرب ہی ہے، اس وجہ سے اہل عرب اہل عجم پر اپنے کو ترجیح دیتے ہیں اور عربی النسل ہونے کو اپنی سعادت اور فخر سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے عربی ہونے پر ناز بھی ہے اور اس کی گنجائش بھی ہے، لیکن بسا اوقات یہ ناز حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور کسی عجمی میں سارے اوصاف ترجیح کے موجود ہونے کے باوجود محض عجمی ہونے کی بنیاد پر اس کو ترقی سے روک دیتے ہیں، گویا عجمی ہونا ایک عیب سمجھ لیا گیا، اور اس کے برخلاف کوئی عربی النسل ہے اور اس کا علمی مقام کسی عجمی سے کم ہے لیکن محض عربی النسل ہونے کی بنیاد پر عجمی پر عربی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اللہ جل جلالہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا مقام بخشا کہ عرب اور عجم دونوں نے آپ کو اپنا امام تسلیم کیا، پورا عالمِ اسلام ان کی جلالت قدر کا نہ صرف معترف ہوا بلکہ ان کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔

چائے پی کر محدث بننا

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لطیفہ ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی چائے پی کر محدث بنا کرتا تو میں امیر المؤمنین فی الحدیث بن جاتا۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے زمانے میں بڑے محدث تھے اور حضرت کی پوری زندگی مجاہدہ، محنت، زہد، وتقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی میں گذری، حضرت کا مقصد اس لطیفہ سے یہ ہے کہ علم بہت کچھ قربانی اور محنت ومشقت چاہتا ہے۔

اپنا حق چھوڑ دیا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ انتقال کے وقت کافی مال چھوڑ کر گئے تھے، جن میں سے پچیس ہزار درہم آپ کے حصہ میں آئے، اس زمانہ کے لحاظ سے پچیس ہزار درہم بڑی رقم سمجھی جاتی تھی، آپ نے سوچا کہ اگر میں ازخود اس رقم کو تجارت میں لگاؤں گا تو علمی مشغلہ میں خلل واقع ہوگا، آپ نے کسی کے ہاتھ عقد مضاربت کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع وہ آپ کو ہر مہینہ دے دیا کرے، ہوا یہ کہ جس کو مضاربت پر رقم دی تھی وہ رقم لے کر بیٹھا رہا، اس نے نہ نفع دیا اور نہ اصل مال واپس کیا۔

آپ کے شہر کا حاکم آپ کی عزت کیا کرتا تھا کسی نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ حاکم کو خط لکھیے، وہ آپ کی رقم اس سے لے کر آپ کو دلوائے گا! تو امام صاحب نے حاکم کی مدد لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر آج میں اپنا جائز حق وصول کرنے

کے لیے حاکم کی مدد لوں گا تو ہوسکتا ہے کہ کل مجھے اس احسان کا سہارا لے کر کسی ایسے کام پر مجبور کرے جس کی شریعت مجھے اجازت نہیں دیتی تو اس وقت انکار کرنا مشکل ہوگا اس لیے کہ حاکموں کا مزاج یہ ہے کہ وہ کسی پر احسان کرتے ہیں تو اس کا بدلہ بھی وصول کرتے ہیں، اس لیے میں اس کا احسان نہیں لینا چاہتا۔ اس کے بعد آپ نے اس آدمی سے کہا کہ اگر تم ایک ساتھ پوری رقم مجھے نہیں دے سکتے تو کم از کم قسط وار ادا کرتے رہو، اس کے لیے بھی وہ تیار نہیں ہوا، بہت ردوقدح کے بعد وہ اس بات پر راضی ہوا کہ ہر مہینہ دس درہم دے دیا کرے گا، اس پر بھی آپ راضی ہو گئے، حالانکہ پچیس ہزار کے مقابلہ میں ماہانہ دس درہم کی کوئی حیثیت نہیں، کہاں پچیس ہزار درہم اور کہاں مہینہ کے دس درہم جو پورے سال میں ایک سو بیس ہی درہم بنتے ہیں، اگر سو سال تک بھی ادا کرتا رہے تب بھی ادا نہیں ہوگا، لیکن آپ نے جھگڑا پسند نہیں کیا اور مہینے کے دس درہم پر بھی راضی ہو گئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس نے مہینے کے دس درہم دینا بھی بند کر دیا، اور اس طرح آپ کی پوری رقم ضائع ہو گئی، رقم کا ضائع ہونا پسند کیا لیکن حاکم کا احسان لینا گوارا نہیں کیا تا کہ اپنے استغنا میں کوئی فرق نہ آئے۔

کم آمدنی پر گزارہ

زندگی کا سرمایہ آپ کے پاس یہی پچیس ہزار درہم تھے اس کے سوا آمدنی کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا، اتنی بڑی رقم ضائع ہو جانے کے بعد آپ پر تنگی کے ایام شروع ہو گئےلیکن اس وقت بھی آپ نے اپنے استغنا میں کوئی فرق آنے نہیں دیا، اور انتہائی

کم کھانے کا آپ نے معمول بنالیا اور اپنی ضرورتوں کا کسی کے سامنے اظہار نہیں کیا اور بعض ایام آپ پر ایسے بھی آئے کہ ایک وقت میں کبھی صرف چار بادام پر اکتفاء کیا اور کبھی صرف سوکھی روٹی پر گزارہ کیا۔

آپ کا سوکھی روٹی پر گزارہ کرنے کا راز اس وقت کھلا جب آپ ایک مرتبہ بیمار ہوئے جس کی وجہ سے طبیب کے پاس جانا پڑا طبیب نے بیماری کی تشخیص کے لیے آپ کا قارورہ طلب کیا اور قارورہ جانچنے کے بعد اس نے کہا کہ یہ قارورہ کسی راہب کا معلوم ہوتا ہے، آپ نے طبیب کی بات سن کر بتلایا کہ: چالیس سال سے میں نے صرف سوکھی روٹی کھائی ہے سالن نہیں کھایا۔ طبیب نے کہا کہ آپ کی بیماری کا علاج سالن کھانا ہے۔ دوستوں اور عزیزوں کے اصرار پر اس کے بعد آپ نے تھوڑی سی چینی اور تھوڑا سا سالن کھانا شروع کر دیا۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو بھئی! انسان آمدنی کے اسباب تو اختیار کرسکتا ہے، لیکن آمدنی اپنے اختیار سے حاصل نہیں کرسکتا، مثلاً تجارت آمدنی کا ایک سبب ہے اس میں تو اس کے اختیار کا دخل ہے لیکن تجارت چلے اور آمدنی بھی بڑھے یہ اس کے اختیار میں نہیں، لیکن خرچ ہر شخص کے اختیار میں ہے، جتنا کم کرنا چاہے کرسکتا ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی ضروریات اور اپنی خواہشات کو کم کرے، جس کی ضروریات اور خواہشات جتنی زیادہ کم ہوگی اتنی ہی عافیت اور سہولت رہے گی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایک ہی جوڑے پر گزارہ

آپ کے ہم درس عمر بن حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کا روزانہ سبق میں حاضری کا معمول تھا، آپ کبھی بھی سبق ناغہ نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ چند دنوں کے لیے سبق سے غیر حاضر رہے۔ اس پر آپ کے رفقاء درس کو بہت تعجب ہوا، سوچا کہ شاید آپ بیمار ہوں؟ تو ہم آپ کی قیامگاہ پر عیادت کرنے گئے، تو معلوم ہوا کہ آپ کے پاس ایک ہی جوڑا کپڑا تھا، جب وہ میلا ہو جاتا تھا تو اسی کو دھو کر پہن لیتے تھے، لیکن دھوتے دھوتے وہ کپڑا اتنا پھٹ گیا کہ اب ستر چھپانے کے لیے بھی کافی نہیں رہا، اس واسطے آپ گھر سے نکلنے سے معذور ہو گئے۔ رفقاء فرماتے ہیں کہ: ہم نے آپ کے لیے کپڑوں کا انتظام کیا، اس کے بعد آپ نے سبق میں دوبارہ آنا شروع کیا۔

آج ہم ان احادیث کو پڑھتے، پڑھاتے ہیں، اور طالبین حدیث میں اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں، مگر جب ہمارے اسلاف کو دیکھتے ہیں تو ہمارے اور ان میں بین فرق نظر آتا ہے کہ انہوں نے کسمپرسی کی حالت میں اس دولت کو حاصل کیا اور ہم تعیش اور تنعم کی حالت میں اس کو حاصل کر رہے ہیں، جب ہم اپنی تعیش اور سہولت و آسانی والی زندگی دیکھتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے اسلاف کی سادگی اور مجاہدہ والی زندگی دیکھتے ہیں تو ندامت اور شرمندگی سے ہمارا سر جھک جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ مقام ملا وہ اس لیے کہ آپ نے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دی۔ سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کیا اور علم کے حصول میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، تب جا کر امیر المؤمنین فی الحدیث بنے؛ علم قربانی مانگتا ہے، بغیر قربانی

کے سطحی اور لفظی علم تو حاصل ہو جائے گا مگر وہ علم جو درست راہ دکھائے وہ بغیر قربانی کے حاصل نہیں ہوتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق عبادت

آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ احادیث نبوی ﷺ کے حصول کے لیے وقف کر دیا تھا، ہر وقت آپ کا مشغلہ قال اللہ قال الرسول تھا، حدیثوں کو پڑھنا، پڑھانا، سننا، سنانا، محفوظ کرنا، تصنیف و تالیف تھا، اس کے لیے آپ نے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا، اپنا گھر بار چھوڑا، دور دراز ملکوں کا سفر کیا، گویا آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت ہی عبادت تھا، اس کے باوجود آپ نے صرف ان کاموں کو عبادت سمجھ کر، نوافل، تلاوت وغیرہ کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، اللہ تعالی نے آپ کو عبادت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، اسی وجہ سے نوافل اور تلاوت قرآن کریم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا اہم مشغلہ تھا گویا آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت ہی عبادت تھا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ رمضان میں آپ ہر دن قرآن مجید کا ایک ختم فرماتے اور اس کے ساتھ ساتھ تراویح کے بعد نوافل پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے اور نوافل میں ہر تیسرے دن ایک قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا۔

آپ کے ایک شاگرد اور خادم محمد بن ابی حاتم الوراق فرماتے ہیں کہ میں نے سفر میں کئی راتیں آپ کے ساتھ گزاریں، آپ رات کو کئی مرتبہ اٹھتے اور چقماق کے ذریعہ چراغ جلاتے، اپنی کاپی میں کچھ لکھ کر دوبارہ چراغ کو گل کر کے لیٹ جاتے، کبھی ایک ہی رات میں دس دس پندرہ پندرہ مرتبہ اٹھنے اور لکھنے کا معمول میں نے

دیکھا ہے۔

اس قصہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رات کے وقت بھی آپ کا علمی اشتغال جاری رہتا تھا، رات کے وقت جو بات یاد آتی رہتی تھی اس کو اٹھ کر لکھتے رہتے تھے، اور ساتھ ساتھ تہجد کا بھی اہتمام تھا۔

وراق کی وجہ تسمیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خادم محمد بن حاتم کو وراق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وَرَّاقٌ لفظ وَرَق سے مشتق ہے جس کے معنی کاغذ کے ہیں، یہ لفظ پرانے زمانہ میں تین آدمیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا، ایک تو کتابوں کو بیچنے والا، دوسرا کباڑی جو پرانی چیزیں فروخت کرتا ہو، خاص طور پر بوسیدہ کتابیں، اور تیسرا وہ آدمی جو کسی مصنف کے لیے کام کرتا ہو کہ مصنف اس کو کچھ لکھوا دیتا ہے اور وہ لکھ کر نسخہ بناتا اور لوگوں میں بیچا کرتا ہے، محمد ابن ابی حاتم آپ کے ورّاق تھے اور صحبت بھی کافی اٹھائی تھی، جس کی وجہ سے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے حالات سے واقف تھے۔

فقیہ کون؟

ہم ہوتے تو یہ تاویل کرتے کہ رات بھر علمی کاموں میں مشغول رہا ہوں اس لیے تہجد پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ علم میں مشغولی تہجد پڑھنے سے بھی افضل ہے، ہم لوگوں نے اپنے مطلب کی چند حدیثیں یاد کر لی ہیں مثلاً یہ حدیث کہ مُذَاکَرَۃُ الْعِلْمِ سَاعَۃً خَیْرٌ مِنْ إِحْیَاءِ لَیْلَۃٍ علمی کاموں میں ایک گھڑی مشغول ہونا پوری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ اور یہ حدیث کہ فقیہ واحد

أشد على الشيطان من ألف عابد ایک فقیہ شیطان پر ہزار عبادت کرنے والوں سے زیادہ بھاری ہے۔ یہ حدیثیں اس لیے یاد رہتی ہیں کہ ہم ان کا سہارا لے کر عبادت سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں، یہ سب درحقیقت شیطان کا دھوکہ ہے۔

کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک عبادت کا ذوق نہ ہو، اس حدیث میں جو فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے اس سے وہ عابد مراد ہے جو صبح سے شام تک عبادت ہی میں لگا رہتا ہے اور علم سے بالکل محروم ہوتا ہے، اور حدیث میں جس فقیہ کی فضیلت آئی ہے اس سے وہ فقیہ مراد ہے جو علم میں انہماک کے ساتھ عبادت کا بھی اہتمام کرتا ہے، اگر کوئی فقیہ اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ نہیں کرتا تو وہ اس فضیلت کا مستحق نہیں، ہمارے جتنے بزرگ فقہاء گزرے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو عبادت کے ذوق سے خالی ہو، اور اپنے علمی اشتغال کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو عبادت کا بھی پابند نہ بنایا ہو۔

جب تک طالب علم کو عبادت کا ذوق اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہ ہو اس کو سطحی علم تو حاصل ہو جائے گا مگر عمل کی طرف ابھارنے والا اور فکر آخرت پیدا کرنے والا علم حاصل نہیں ہوگا۔ اگر ظاہری علم ہے مگر عبادت اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے حقیقت میں علم نہیں بلکہ جہل ہی جہل ہے۔

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہ دوست

قوت حافظہ کے لیے بہترین دوا

آپ کے زمانہ میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ آپ کا حافظہ اس لیے بہت زیادہ

بڑھا ہوا ہے کہ آپ کے پاس حافظہ کو بڑھانے کی کوئی خاص دوا ہے جس کا آپ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا حافظہ قوی ہو گیا ہے۔ کسی نے آپ کو تنہائی میں پوچھا کہ کیا کوئی ایسی دوا ہے جس سے آدمی کا حافظہ قوی ہو جاتا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کسی دوا کا تو مجھے علم نہیں، البتہ حافظہ کے لیے شوق اور پیہم محنت سے بڑھ کو کوئی دوا نہیں۔

نماز میں انہماک

محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی ساتھی نے اپنے باغ میں مدعو کیا آپ نے وہاں ظہر کی نماز ادا کی اور نماز کے بعد آپ نوافل میں مشغول ہو گئے، نمار سے فراغت پر آپ نے اپنی قمیص اٹھائی اور کسی ساتھی سے کہا کہ ذرا دیکھ لو کیا ہے؟ جب ساتھی نے دیکھا تو ایک بھڑ تھی جس نے آپ کے جسم پر کئی مرتبہ ڈنک مارا تھا اور آپ کے جسم پر ورم آ گیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ دوران نماز آپ کو کاٹنے کا احساس ہوا تھا کہ نہیں؟ کہا کہ احساس تو ہوا تھا، تو کہا کہ اس وقت نماز توڑ دیتے، نفل نماز ہی تو تھی؟ فرمایا کہ: ایک سورت شروع کی تھی اور اس کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

آپ کا احتیاط

آپ کی پوری زندگی علم و عمل تقویٰ طہارت سے آراستہ تھی، آپ کا ہر قول و فعل عبادت تھا، آپ کے ہر عمل میں تقوی، تورع نمایاں طور پر نظر آتا تھا، آپ نے گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کیا تھا کہ کوئی بھی گناہ سرزد نہ ہو، بلکہ آپ کبھی معصیت کے

قریب بھی نہ پھٹکے۔

آپ نے بقدر ضرورت خرید وفروخت بھی کی ہے۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ ایک چیز خریدنے کے لیے آئے، انہوں نے اس چیز کے لیے پانچ ہزار درہم کی پیش کش کی، آپ نے فرمایا کہ اچھا بھائی! میں سوچ کر کل جواب دوں گا، اس کے بعد کچھ دوسرے لوگ آپ کے پاس اسی چیز کو خریدنے کے لیے پہنچ گئے اور انہوں نے اس کے لیے دس ہزار درہم کی پیش کش کی، آپ کے رفقا نے مشورہ دیا کہ یہ تو بہترین موقع ہے، دوسری جماعت ہی کو بیچ دینا چاہیے، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تو پہلی جماعت سے سودا کر چکا ہوں، آپ کے رفقا نے کہا کہ آپ نے تو ان سے اتنا کہا تھا کہ کل سوچ کر جواب دوں گا اس سے سودا مکمل نہیں ہوتا، اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں پہلی جماعت کو دینے کا خیال آ گیا تھا اور میرا دل پانچ ہزار درہم پر آمادہ ہو گیا تھا، اس کے بعد یہ دوسری جماعت آ گئی، لہٰذا مجھے اب اچھا نہیں لگتا کہ میں پانچ ہزار درہم کی خاطر اپنی اس نیت کو خراب کر دوں، لہٰذا آپ نے دوسری جماعت کی زیادہ نفع والی پیش کش رد کر دی اور آپ نے پہلی ہی جماعت کی کم نفع والی پیش کش قبول کر لی۔

آپ کا جود وسخا

آپ کی ایک زمین تھی جو آپ نے کسی کو کرایہ پر دی تھی، اس کو معلوم تھا کہ آپ کو ککڑی بہت پسند ہے، اس لیے وہ آپ کے لیے ککڑیاں لایا کرتا تھا، آپ اس کے بدلہ میں ہر سال اس کو ہزار درہم کا ہدیہ دیتے تھے۔

آپ اہل علم کا بہت خیال رکھتے تھے، ہمیشہ اپنے ساتھ اپنی تھیلی رکھتے تا کہ اگر کسی ضرورت مند کا علم ہوجائے تو اس کا تعاون کرسکیں، کبھی کبھی کسی ضرورت مند طالب علم کو بیس یا تیس درہم اس طرح دے دیتے کہ کسی اور کو پتا تک نہ چلتا، ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو ایک تھیلی دی جس میں تین سو درہم تھے، جب اس نے آپ کو دعا دینے کی کوشش کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کسی اور بات میں لگ جا کہ اس کا کسی اور کو علم نہ ہو۔

تیر کا غلط نشانہ پر لگنا اور آپ کا تاوان ادا کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو تیر اندازی کی مشق کا شوق تھا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیر اندازی کی ترغیب دی ہے۔ آپ اس فن میں بڑے ماہر تھے، محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ کئی مرتبہ میں آپ کے ساتھ تیر اندازی کے لیے نکلا، صرف دو مرتبہ کا مجھے یاد ہے کہ آپ کا تیر نشانہ پر نہ لگا۔

ایک دن تیر اندازی کے لیے جنگل میں نکلے، ایک جگہ پر کسی کا گھر تھا، گھر کے سامنے ایک پل تھا، اس کے قریب آپ تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس دن آپ کا نشانہ خطا کر گیا، اور اس پل کی میخ میں تیر جا کر ٹکرایا جس سے میخ ٹوٹ گئی، آپ کو اس پر بہت صدمہ ہوا اور آپ نے تیر اندازی کی مشق چھوڑ دی اور گھر واپس تشریف لے گئے۔ پھر اپنے ساتھی سے کہا کہ بھئی! خدا کے لیے میرا ایک کام کردو، اس پُل کے مالک کو ڈھونڈھو، اور اس کو میری طرف سے کہو کہ اس پل کی مرمت میں جو خرچ آتا ہو وہ مجھ سے لے لے اور مجھے معاف کردے۔

ان صاحب نے آپ کا پیغام پل کے مالک کو پہنچایا، مالک نے کہا کہ امام صاحب کو میرا سلام کہنا اور آپ کو کہنا کہ آپ پر تو میرا سارا مال قربان، مجھے اس پر نہ کوئی شکوہ ہے اور نہ مجھے کوئی تاوان لینا ہے۔اس آدمی نے آپ کو مالک کی بات پہنچائی کہ اس نے تاوان لینے سے انکار کر دیا۔آپ نے اس پر مسرت کا اظہار کیا اور اس خوشی میں تین سو درہم صدقہ کر دیا۔

آپ نے ساری عمر کسی کی غیبت نہیں کی

آپ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے یہ علم ہوا کہ غیبت کرنا حرام ہے اس وقت سے کسی شخص کی بھی غیبت نہیں کی، کسی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کی تاریخ کبیر نامی کتاب تو غیبت سے بھری پڑی ہے؟ (تاریخ کبیر میں آپ نے راویوں کے حالات ذکر کیے ہیں اچھے بھی اور برے بھی) اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے اس میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، جو کچھ ہے وہ کسی نہ کسی امام کا قول ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ ضرورت کی خاطر کسی کی برائی سے لوگوں کو متنبہ کرنا غیبت میں شمار نہیں اور راویوں کے بارے میں بتلانا کہ مثلاً فلاں راوی کا حافظہ کمزور تھا اور فلاں راوی ایسا تھا وغیرہ یہ ضروری ہے تاکہ لوگ غلط شخص کی روایت لینے سے احتیاط کریں۔

علمائے کرام نے فرمایا کہ آپ کی تاریخ کبیر میں اور دوسرے حضرات کی جرح وتعدیل کی کتابوں میں فرق یہ ہے کہ آپ کے الفاظ دوسروں کے مقابلہ میں بہت ہی محتاط ہیں، اگر کسی راوی کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ ضعیف ہے تو ضعیف کے

بجائے آپ یوں لکھیں گے کہ تکلم فیہ، لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے، جہاں دوسرے علماء دجال کذاب جیسے سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں، وہاں آپ کی کتاب تاریخ کبیر میں اس قسم کے سخت الفاظ نہیں ملتے۔

جو آدمی غیبت سے بچنے کا اتنا اہتمام کرتا ہو وہ دوسرے گناہوں کے ارتکاب سے کتنا بچتا ہوگا۔ کیوں کہ سب گناہوں میں سب سے زیادہ مشکل کام غیبت سے بچنا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان بسا اوقات غیر شعوری طور پر غیبت کر لیتا ہے، یہ بڑا مشکل کام ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

چھوٹوں سے معافی مانگنا

ایک دن آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ مجھے معاف کر دو، اس نے پوچھا کہ کس چیز کے بارے میں آپ معافی مانگ رہے ہیں؟ فرمایا کہ: ایک دن جب میں نے ایک حدیث بیان کی تو تم پر نظر پڑی کہ تم اپنے سر اور ہاتھ کو ہلا رہے تھے، اور مجھے عجیب سا لگا اور میں مسکرایا، اس پر معافی مانگتا ہوں۔

عفو و درگزر

ایک مرتبہ آپ اپنے گھر میں تھے کہ باندی کا وہاں سے گزر ہوا، وہاں ایک دوات تھی، وہ اس پر پھسلی، آپ نے ذرا تیز لہجے سے فرمایا تو دیکھ کر نہیں چلتی! اس نے کہا کہ گھر میں راستہ ہی نہیں تو کیسے بچ سکتی، تو آپ نے ہاتھ جوڑ کر اس سے فرمایا کہ جا! میں نے اللہ کے واسطے تجھے آزاد کر دیا۔ کسی نے بعد میں پوچھا کہ کیا اس باندی نے آپ کو غصہ دلایا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے غصہ دلایا بھی تو اس کو آزاد کر کے

میں نے اپنے آپ کو تسلی دے دی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام

آپ اپنی آخری ایام میں بخارا میں مقیم ہو گئے تھے۔ایک مرتبہ وہاں کے امیر خالد ذہلی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرے گھر آ کر علم حدیث کی تعلیم دیں، آپ نے فرمایا کہ میں سلاطین اور امراء کے گھر جا کر درس دے کر علم حدیث کو ذلیل نہیں کرسکتا، اگر کسی کو پڑھنا ہو تو میرا حلقۂ درس ہر ایک کے لیے کھلا ہے، کسی کے در پر جا کر فرداً افرداً تعلیم دینے میں علم حدیث کی توہین بھی ہے اور کتمان علم بھی کہ ہر ایک شخص مجھ سے حدیث نہیں سن سکے گا۔

آپ نے امیر کو پیغام بھیجا کہ آپ کے کے لیے مخصوص حلقہ قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم مجھے عام طلبہ کے لیے حلقۂ درس قائم کرنے سے منع کر دو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہوں گا اور میں اپنا حلقۂ درس چھوڑ کر تم ہی کو پڑھاؤں گا۔

امیر کی طرف سے آپ پر مظالم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات امیر کو ناگوار گذری اور اس نے آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور آپ پر بعض غلط الزامات لگائے اور ان الزامات کو بہانہ بنا کر آپ کو اپنے وطن بخارا سے نکال دیا۔اس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی، آپ تو ابھی شہر سے نکلے ہی تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ امیر کو معزول کر دیا گیا اور گدھے پر بٹھا کر پورے شہر میں گھما کر بے انتہا ذلیل کیا گیا۔

بخارا سے خرتنگ کی طرف

آپ کو جب بخارا سے نکلنے کا حکم ہوا تو سمرقند کے لوگوں نے آپ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے آپ بخارا سے سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے، لیکن ابھی آپ روانہ ہی ہوئے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ سمرقند والوں میں اختلاف ہو گیا بعض نے آپ کی تشریف آوری کو قبول کیا اور بعض نے مخالفت کی۔

آپ نے وہیں سے اپنا ارادہ بدلا اور سمرقند کے بجائے خرتنگ نامی ایک چھوٹی سی بستی میں جہاں آپ کے کچھ رشتہ دار تھے جا کر مقیم ہو گئے۔

آپ کا موت کی تمنا کرنا

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ضَاقَتْ عَلَیَّ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فاقبضنی إلیك، اے اللہ! مجھ پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی ہے تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔

یہاں اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ احادیث میں تو موت کی تمنا سے منع کیا گیا ہے پھر آپ نے موت کی تمنا کیوں کی؟ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ موت کی تمنا کی اس وقت ممانعت ہے جب آدمی دنیوی حالات سے دوچار ہو جائے اور موت کی تمنا کرے، اگر کسی دینی وجہ سے موت کی تمنا کرے تو اس کی اجازت ہے، مثلا دین کو خطرہ ہے، آپ نے محسوس کیا کہ مجھے اپنے دین کے تحفظ میں دشواری پیش آئے گی، کہیں میں کسی بڑے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اس سے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے مولی سے جا ملوں۔

عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خرتنگ پہنچتے ہی بیمار ہوگئے اور پھر کچھ دنوں بعد طبیعت سنبھل گئی اور ادھر سمرقند والوں میں بھی اختلاف دور ہوگیا، اور آپ کو دوبارہ سمرقند آنے کی دعوت دی گئی، آپ نے سمرقند جانے کے لیے سواری منگوائی اور سفر کا لباس پہن لیا، سواری پر بیٹھتے ہی اللہ کی طرف سے داعی اجل آگیا، اور اسی وقت آپ کا انتقال ہوگیا، وہیں خرتنگ میں آپ دفن کیے گئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کی قبر کی مٹی سے مشک جیسی خوشبو آنے لگی، اور وہ کچھ دنوں تک رہی تو لوگ آ آ کر مٹی لے جانے لگے یہاں تک کہ قبر کھلنے کا اندیشہ ہوگیا اور ذمہ دار حضرات کچھ قابو نہ کر سکے، بالآخر کچھ لکڑیوں کی سلاخیں گاڑ کر لوگوں کو روکا گیا۔

عبدالواحد بن آدم کہتے ہیں کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ کسی کا انتظار کر رہے ہیں، میں نے خواب میں آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ یہاں کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہا ہوں، چند دنوں بعد مجھے خبر پہنچی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسی دن اور اسی وقت انتقال ہوگیا تھا جب میں نے خواب دیکھا تھا۔

آپ کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی اور آپ نے تریسٹھ سال کی عمر پائی۔

مقدمہ

محدثین اپنی کتابوں میں آٹھ مختلف عنوانات کے تحت احادیث کو پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک عنوان ہے الأدب ادب کے معنی ہیں پسندیدہ کام یا بات، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ادب تمیز، تہذیب اور شائستگی کی بات کو کہتے ہیں۔ باتمیز آدمی کو بھی باادب کہتے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتہ داروں، ماں باپ اور عام لوگوں کے ساتھ معاشرت اور رہن سہن کا جو طریقہ بتلایا ہے حضرات محدثین ان کو ''کتاب الادب'' میں ذکر کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اپنی اس کتاب ''الأدب المفرد'' میں جن روایتوں کو پیش کیا ہے وہ اسی موضوع کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

بابُ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

١ - قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: الْوَلِيدُ بْنُ الْعَيْزَارِ أَخْبَرَنِي قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُولُ: حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ، وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: ''الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا''، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ''ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ''، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ''ثُمَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ'' قَالَ: حَدَّثَنِي بِهِنَّ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي .

ترجمہ: ابوعمرو شیبانی نے (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اس گھر والے نے مجھ سے بیان فرمایا کہ

میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالی کی نگاہ میں کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل نماز کو اپنے مستحب وقت میں ادا کرنا ہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ تعالی کو زیادہ پسندیدہ ہے؟ فرمایا: اس کے بعد سب سے پسندیدہ عمل ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ پوچھا اس کے بعد کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ پسندیدہ ہے؟ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد اللہ تعالی کے راستہ میں جہاد کرنا اللہ تعالی کے یہاں پسندیدہ عمل ہے۔ اگر میں اور زیادہ پوچھتا تو آپ مجھے اور زیادہ جواب عطا فرماتے۔

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث میں تین چیزوں کو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل بتایا ہے۔ سب سے پہلے نماز کا ذکر کیا، گویا عبدیت کا تقاضہ ہے کہ آدمی اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہوئے نماز کو وقت مستحب میں ادا کرنے کا اہتمام کرے، دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو بیان کیا ہے۔

حسن سلوک کے لیے عربی زبان میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک لفظ ''بِرّ'' اور دوسرا لفظ ''صِلَةٌ'' لفظ بِرٌّ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے اور لفظ صِلَةٌ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔

٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قال قَالَ رسول الله ﷺ: رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالی کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔

تشریح: ماں باپ خوش ہیں تو اللہ تعالیٰ خوش، ماں باپ ناراض ہیں تو اللہ تعالیٰ ناراض، ماں باپ کی خدمت اوران کی خوشنودی اوران کی دعالینے کو ہماری شریعت نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہت آسان نسخہ ہمیں ملا ہے کہ ماں باپ کوخوش کرلوتو اللہ تعالی کی خوشی حاصل ہوجائے گی۔

بَابُ بِرِّ الْأُمِّ

٣ - عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضي الله عنه، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قُلْتُ: مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قُلْتُ: مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قُلْتُ: مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ".

ماں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر میں نے یہی سوال کیا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں یہی فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو تیسری مرتبہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر چوتھی مرتبہ میں نے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ فرمایا کہ اپنے باپ کے ساتھ، اس کے بعد جو جتنا

زیادہ قریب ہو اس کے مطابق اس کے ساتھ بھلائی کا اور حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

تشریح: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں اس سے پہلا باب قائم کیا تھا، اب ماں اور باپ ہر ایک کے لیے الگ الگ باب قائم کر کے ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی اور زیادہ اہمیت بتلانا چاہتے ہیں۔

اس حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی باپ کے مقابلہ میں زیادہ تاکید فرمائی ہے، اس کی چند وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ بچے کی تربیت میں ماں جتنی مشقت اور تکلیف اٹھاتی ہے، باپ نہیں اٹھاتا، حمل کی تکلیف ماں ہی برداشت کرتی ہے، بچہ جننے کی مشقت ماں ہی برداشت کرتی ہے، دودھ پلانے کی زحمت ماں ہی اٹھاتی ہے، اور جب تک بچہ اس عمر تک نہیں پہنچ جاتا کہ اپنی ضرورتیں خود پوری کر سکے اس وقت تک ماں ہی اس کا پورا خیال رکھتی ہے، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ماں چاردیواری میں رہتی ہے، اس کے ساتھ اولاد کیا معاملہ کر رہی ہے لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر اولاد ماں کے ساتھ بدسلوکی کرے گی تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا اور دنیا میں بے عزتی نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ سے اولاد بہت جلدی ماں کے ساتھ بدسلوکی کرتی ہے۔ اس کے برخلاف باپ چاردیواری سے باہر رہتا ہے، اگر اولاد باپ کے ساتھ بدسلوکی کرے گی تو دنیا والوں کو اس کا پتہ چل جائے گا، اس ڈر سے بھی اولاد باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ باپ کا مزاج عام طور پر سخت ہوتا ہے، اگر اولاد اس کی

نافرمانی کرے گی تو باپ خبر لے گا، اس کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ، گرفت اور پکڑ دھکڑ ہوگی، اس خوف سے بھی اولاد باپ کے ساتھ تو حسن سلوک کر لیتی ہے، لیکن ماں کے مزاج میں عموماً نرمی ہوتی ہے اس لیے اولاد ماں کی نافرمانی کرے تو ماں اولاد کے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کرتی، اس لیے عام طور پر اولاد ماں کے ساتھ نافرمانی اور بدسلوکی باپ کے مقابلہ میں زیادہ کرتی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں زیادہ حساس ہوتی ہے، تو جب اولاد ماں کی نافرمانی کرتی ہے تو ماں اپنی نرم طبیعت اور فطری کمزوری کی وجہ سے جلدی متأثر ہوجاتی ہے بہ نسبت باپ کے، جس کے نتیجہ میں ہوسکتا ہے کہ ماں کی زبان سے بددعائیہ کلمات نکل جائیں اور اللہ تعالی کے یہاں قبول ہوجائیں۔

فقہاء اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خدمت، انعام اور داد ودہش میں ماں کو باپ پر ترجیح دی جائے، اور اطاعت، فرماں برداری اور ادب واحترام میں باپ کو ماں کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے۔

آج کل ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں بڑی کوتاہیاں ہورہی ہیں، اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی اس معاملہ میں بڑی کوتاہیاں کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ان کے حقوق کو پہچانا جائے اور ادنیٰ سی گستاخی سے بھی اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کیا جائے۔

ماں کی نافرمانی کی سزا

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک صحابی تھے علقمہ رضی اللہ عنہ، جب ان کی وفات کا

وقت قریب آیا تو زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا تھا، ان کی بیوی نے نبیٔ کریم ﷺ پر پیغام بھیجا کہ آپ کے صحابی علقمہ رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب ہے اور زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ ان کے والدین ہیں؟ تو کہا کہ ماں ہے، والد نہیں ہے، اور ماں ناراض ہے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ان کی ماں پر پیغام بھیجا کہ مجھے تجھ سے کچھ بات کرنی ہے، تو یہاں آتی ہے، یا میں تیرے پاس آؤں؟ تو اس کے جواب میں اس نے کہا بھیجا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں آپ کو کیوں زحمت دوں، میں خود حاضر ہوتی ہوں، چنانچہ وہ بڑھیا آئی، نبیٔ کریم ﷺ نے اس بیٹے کے متعلق پوچھا، تو کہا کہ میرا بیٹا بڑا نیک ہے، نمازی ہے، روزہ رکھتا ہے، تہجد کا پابند ہے، لیکن اپنی بیوی کے مقابلہ میں میری نافرمانی کرتا ہے، اس لیے میں اس سے ناراض ہوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا قصور معاف کر دے اور اس سے راضی ہو جا، تو اس نے کہا میں معاف نہیں کرتی، میں اس سے راضی نہیں ہوتی۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بلال! لکڑیاں جمع کرو، آگ جلاؤ اور علقمہ (رضی اللہ عنہ) کو اس میں ڈالو، لکڑیاں جمع ہونے لگیں تو بڑھیا نے دیکھا کہ واقعتاً میرے بیٹے کو آگ میں ڈالا جائے گا، تو اس نے پوچھا کہ میرے بیٹے کو آگ میں ڈالا جائے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے عذاب کے مقابلہ میں ہمارا عذاب تو بڑا ہلکا ہے، خدا کی قسم جب تک تم ناراض ہو تب تک نہ اس کی کوئی نماز قبول ہے، نہ اس کا روزہ قبول ہے، نہ اس کی کوئی عبادت قبول ہے، تو اس بڑھیا نے کہا کہ میں آپ کو اور تمام مسلمانوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اس کو معاف کر دیا، حضور ﷺ نے صحابہ کو کہا کہ جاؤ! دیکھو! اس کی زبان

پر کلمہ جاری ہوا کہ نہیں؟ معلوم ہوا کہ کلمہ جاری ہو گیا اور کلمہ پڑھتے ہوئے موت آئی، نبیٔ کریم ﷺ نے ان کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا کہ ان کو غسل دو، کفن پہناؤ اور آپ خود جنازہ میں شریک ہوئے، جنازہ کی نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد آپ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مہاجرین وانصار کی جماعت! جس نے اپنی ماں کی نافرمانی کی ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام مسلمانوں کی لعنت اور جب تک کہ ماں ناراض ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہی رہے گا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی، تم میں سے کسی نے اپنی ماں کو ناراض کیا ہے تو اس کو راضی کر لو۔ (فضائل ذکر ص ۲۷)

بہر حال ماں کے متعلق بڑی تاکید ہے، ماں کی دعا کی وجہ سے آدمی کی زندگی بدل جاتی ہے۔

ماں کی دعا کا کرشمہ

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! مجھے معلوم ہو جائے کہ جنت میں میرا رفیق کون ہوگا؟ تو باری تعالیٰ کی طرف سے بتلایا گیا فلاں بستی میں، فلاں بازار میں ایک گوشت بیچنے والا ہے، وہ تمہارا جنت میں رفیق ہوگا، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لے گئے، شام کو مغرب کے قریب پہنچے، دیکھا ایک نوجوان دکان اپنی بند کر رہا تھا، بند کرتے ہوئے اس نے زنبیل میں ایک گوشت کا ٹکڑا ڈالا، دکان بند کی، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا کہ کسی مسلمان کو، مؤمن

کو اپنے ساتھ کچھ روز مہمان بنا کر رکھنے کے لیے تیار ہو؟ کہا کہ آیئے! جلدی کیجیے۔ گھر پہنچ کر اس نے اس گوشت کو پکایا اور اس کے بعد ایک زنبیل اتاری، اس زنبیل میں سے ایک بالکل کمزور بڑھیا جو کہ کبوتر کے چوزے کی طرح ہوگئی تھی، اس کو نکالا اور اس کو وہ شوربا پلایا، اس کے بعد اس نے اس کے کپڑے لے کر دھوئے اور پھر پہنائے، اور وہ بڑھیا کچھ بول رہی تھی، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے پاس جا کر کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ وہ دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! میرے بیٹے کو جنت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رفیق بنا! حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نوجوان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ یہ میری ماں ہے، کمزور ہے، میں اس کی خدمت کرتا ہوں، کہا کہ خوش خبری سن لے! تیری ماں کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی ہے، میں موسیٰ ہوں اور تو میرا جنت میں رفیق ہوگا۔

ماں کی خدمت اپنی ڈاڑھی سے

استاذ ابو اسحاق الشیر ازی بڑے عالم گذرے ہیں، ان کی حیات میں کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ان کی ڈاڑھی جواہرات اور موتیوں سے مرصع اور چمک رہی ہے، صبح خواب دیکھنے والے نے حضرت کو بتلایا کہ رات کو میں نے خواب میں یہ دیکھا، تو کہا کہ تم نے صحیح دیکھا، رات کو میں نے اپنی ماں کے پاؤں اپنی ڈاڑھی سے جھاڑے تھے۔ (نزہۃ المجالس)

٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍ رضي الله عنه، أَنَّهُ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنِّي خَطَبْتُ امْرَأَةً، فَأَبَتْ أَنْ تَنْكِحَنِي، وَخَطَبَهَا غَيْرِي، فَأَحَبَّتْ أَنْ تَنْكِحَهُ، فَغِرْتُ عَلَيْهَا فَقَتَلْتُهَا، فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ: أُمُّكَ حَيَّةٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: تُبْ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَتَقَرَّبْ إِلَيْهِ مَا اسْتَطَعْتَ. فَذَهَبْتُ فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضي الله عنه: لِمَ سَأَلْتَهُ عَنْ حَيَاةِ أُمِّهِ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ عَمَلًا أَقْرَبَ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ بِرِّ الْوَالِدَةِ .

ترجمہ: عطا ابن یسار رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا، لیکن اس نے انکار کر دیا، اور جب دوسرے شخص نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے اس پیغام کو قبول کر لیا، مجھے اس پر بڑی غیرت آئی اور غصے کے مارے میں نے اسے قتل کر دیا، کیا میری توبہ کی قبولیت کی کوئی گنجائش ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ کہا نہیں، پھر آپ نے فرمایا جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کر کے معافی مانگو۔ عطا ابن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے پوچھا کہ آپ نے ماں کے بارے میں کیوں پوچھا کہ زندہ ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرے علم میں اللہ تعالی کا قرب دلانے والا کوئی بھی عمل ماں کے ساتھ حسن سلوک سے بڑھ کر نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کے ساتھ حسن سلوک سے بڑھ کر کوئی عمل اللہ تعالی کا قرب دلانے والا نہیں ہے۔ ماں کی خدمت بہت بڑی نیکی ہے، ماں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، اس کے باوجود آج کل سب سے زیادہ بدسلوکی کا معاملہ ماں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے، ان کی خدمت اور

اطاعت کر کے دعائیں لینے کی بات تو بہت دور، اب تو ان کا دل دکھا کر بد دعا لینے تک کی نوبت پہنچ چکی ہے، ماں ہر وقت اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ترستی ہے؛ لیکن بیٹے کے پاس ماں کو دیکھنے کے لیے ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں۔

بَابُ بِرِّ الْأَبِ

٥ -حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمَّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أَبَاكَ".

باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کسی نے رسول اللہ تعالی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ، پھر دوسری مرتبہ پوچھا کہ پھر کس کے ساتھ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ، پھر اس نے تیسری مرتبہ سوال کیا کہ پھر کس کے ساتھ؟ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی جواب دیا کہ اپنی ماں کے ساتھ، پھر چوتھی بار سوال کیا کہ اس کے بعد کس کے ساتھ؟ تو اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔

تشریح: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو بھی نیکی بتلایا ہے، اگرچہ باپ کی حیثیت ماں کے مقابلہ میں کم ہے، مگر جس طرح ماں کی خدمت سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اسی طرح باپ کی خدمت

سے بھی اللہ تعالی کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

٦ -حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَتَى رَجُلٌ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا تَأْمُرُنِي؟ فَقَالَ: ''بِرَّ أُمَّكَ''، ثُمَّ عَادَ، فَقَالَ: ''بِرَّ أُمَّكَ''، ثُمَّ عَادَ، فَقَالَ: ''بِرَّ أُمَّكَ''، ثُمَّ عَادَ الرَّابِعَةَ، فَقَالَ: ''بِرَّ أَبَاكَ''.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، پھراس نے دوسری مرتبہ پوچھا تو آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اس نے تیسری مرتبہ پوچھا، تو آپ نے پھر یہی جواب دیا، اس نے چوتھی مرتبہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

تشریح: ماں باپ کا مقام بہت اونچا ہے، ماں باپ کے احسانات اتنے ہیں کہ انسان کسی بھی حالت میں ان کے احسانات کا بدلہ ادا نہیں کرسکتا۔ ماں باپ کی خدمت اوران کو راحت پہنچانے سے انسان کی آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی بنتی ہے۔

بَابُ بِرِّ وَالِدَيْهِ وَإِنْ ظَلَمَا

٧ -حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ الْقَيْسِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ لَهُ وَالِدَانِ مُسْلِمَانِ يُصْبِحُ إِلَيْهِمَا مُحْتَسِبًا، إِلَّا فَتَحَ لَهُ الله بَابَيْنِ

- يَعْنِي: مِنَ الْجَنَّةِ- وَإِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدٌ، وَإِنْ أَغْضَبَ أَحَدَهُمَا لَمْ يَرْضَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتَّى يَرْضَىٰ عَنْهُ، قِيلَ: وَإِنْ ظَلَمَاهُ؟ قَالَ: ''وَإِنْ ظَلَمَاهُ'' .

اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اگر چہ وہ ظلم وزیادتی کریں

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کسی کے ماں باپ مسلمان ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے، اور اگر ان دونوں میں سے ایک ہو، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو جنت کا ایک دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی نے ماں باپ میں سے کسی ایک کو بھی کو ناراض کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس سے خوش نہ ہو جائے، کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ان کی طرف سے زیادتی ہو؟ فرمایا کہ ماں باپ کی طرف سے زیادتی ہو تب بھی۔

تشریح: اس باب میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ اگر ماں باپ کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی ہو تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک میں کوئی کمی نہ کی جائے، اگر ان کی طرف سے زیادتی ہو تب بھی اولاد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے ساتھ بدسلوکی کرے، اگر اولاد نے بدسلوکی کی اور اس بدسلوکی کی وجہ سے ماں باپ ناراض ہو گئے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہی رہے گا جب تک کہ ماں باپ راضی نہ ہو جائیں، اس لیے ماں باپ کا معاملہ بہت اہم ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اگر چہ یہاں موقوف ہے یعنی نبی ﷺ کا ذکر نہیں لیکن بیہقی کی روایت مرفوع آئی ہے یعنی اس میں نبی ﷺ کا ذکر ہے۔

بَابُ لَيِّنِ الْكَلَامِ لِوَالِدَيْهِ

٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ مِخْرَاقٍ قَالَ: حَدَّثَنِي طَيْسَلَةُ بْنُ مَيَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّجَدَاتِ، فَأَصَبْتُ ذُنُوبًا لَا أَرَاهَا إِلَّا مِنَ الْكَبَائِرِ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ: مَا هِيَ؟ قُلْتُ: كَذَا وَكَذَا، قَالَ: لَيْسَتْ هٰذِهِ مِنَ الْكَبَائِرِ، هُنَّ تِسْعٌ: الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَقَتْلُ نَسَمَةٍ، وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَةِ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَإِلْحَادٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَالَّذِي يَسْتَسْخِرُ، وَبُكَاءُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْعُقُوقِ. قَالَ لِي ابْنُ عُمَرَ: أَتَفْرَقُ النَّارَ، وَتُحِبُّ أَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ؟ قُلْتُ: إِي وَاللهِ، قَالَ: أَحَيٌّ وَالِدُكَ؟ قُلْتُ: عِنْدِي أُمِّي، قَالَ: فَوَاللهِ لَوْ أَلَنْتَ لَهَا الْكَلَامَ، وَأَطْعَمْتَهَا الطَّعَامَ، لَتَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مَا اجْتَنَبْتَ الْكَبَائِرَ.

ماں باپ کے سامنے نرمی سے گفتگو کرنا

ترجمہ: طیلسہ بن میاس کہتے ہیں کہ میں نجدات کے ساتھ ایک زمانہ تک رہا، اس زمانے میں مجھ سے چند ایسے گناہ سرزد ہوئے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب کبیرہ گناہ ہیں، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوکر ان گناہوں کا تذکرہ کیا، آپ نے مجھ سے ان کی تفصیل پوچھی، میں نے کہا کہ: اس طرح اور اس طرح ہوا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ یہ کبیرہ گناہ نہیں، کبیرہ گناہ تو نو ہیں:

۱) اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا،

۲) کسی کو ناحق قتل کرنا،

۳) دشمن کے مقابلہ میں میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا،

۴) کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا،

۵) سود کھانا،

۶) یتیم کا مال کھانا،

۷) مسجد حرام میں کسی بے دینی کا ارتکاب کرنا،

۸) لوگوں کا ٹھٹھا اڑانا

۹) اولاد کا اپنی نافرمانی سے اپنے والدین کو رلانا،

پھر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا کہ تجھے جہنم کا ڈر لگتا ہے اور تو جنت میں داخل ہونے کو پسند کرتا ہے؟ میں نے کہا خدا کی قسم جی ہاں! پھر آپ نے پوچھا کہ تمہارے والد زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ماں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی قسم اگر تم اپنی ماں کے ساتھ نرمی سے بات کروگے اور ان کو کھانا کھلاؤ گے تو جنت میں ضرور داخل ہو جاؤ گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے رہو۔

تشریح: نجدات ایک گمراہ فرقہ تھا جو صحابہ کے زمانے میں وجود میں آیا تھا، ان کو نجدات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس جماعت کا بانی نجدہ بن عامر تھا۔

طیسلہ بن میاس پہلے اس جماعت کے ساتھ تھے اور ان کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ بعد میں اس جماعت سے الگ ہو گئے اور ان کو اپنی ان حرکتوں پر ندامت ہوئی، جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے طیسلہ سے گناہوں کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے تو تفصیل بتلائی ہوگی، لیکن روای نے ان کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ کسی کا عیب اور گناہ ذکر کرنا از خود گناہ ہے۔ جب طیسلہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان گناہوں کا ذکر کیا تھا تو ضرورت تھی کہ ان کو مسئلہ معلوم ہو جائے، لیکن راوی کے

لیے دوسروں کو بتلانے میں کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا ہے۔

بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ میدان جنگ سے بھاگنا بھی ہے، لیکن کچھ عوارض کی وجہ سے میدان سے پیچھے ہٹنے کی اجازت ہے۔

۱) اگر دشمن کی تعداد دوگنی سے زیادہ ہو،

۲) پینترا بدلنے کے لیے وہاں سے اس نیت سے ہٹا کہ دوبارہ حملہ کرنا ہے،

۳) دشمن ہتھیار سے مسلح ہیں اور یہ غیر مسلح۔

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلا رہے ہیں کہ والدین کے ساتھ گفتگو میں نرم لہجہ اختیار کرنا چاہیے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ سخت کلامی سے بڑی سختی سے روکا ہے۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ

ماں باپ کو ہوں بھی مت کہو۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر اُف سے کم درجہ کا کوئی لفظ ہوتا جس سے والدین کو تکلیف پہنچائی جا سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ اس لفظ کو ضرور ارشاد فرماتے، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اف سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو، یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اسی کلمہ اف میں داخل ہے۔

(معارف القرآن ج ۵ صفحہ ۴۶۶)

آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَنْهَرهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

ان کوجھڑ کو بھی مت اور ان سے بھلائی کی بات کرو،

یہاں نرم گفتگو کرنے کی تاکید آئی ہے،معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ نرم گفتگو کرنا،ان کو کھلانا،ان کی خدمت کرنا یہ بہت بڑی نیکی کے کام ہیں۔

٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾[الإسراء: ٢٤]، قَالَ: لَا تَمْتَنِعْ مِنْ شَيْءٍ أَحَبَّاهُ.

حضرت ہشام اپنے والد عروہ سے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (اوران کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا) کی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جو چیز والدین کو پسند ہے ان کو دے دے۔

بَابُ جَزَاءِ الْوَالِدَيْنِ

١٠ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ، إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ".

ماں باپ کے احسان کا بدلہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی شخص اپنے ماں باپ کے احسان کا بدلہ نہیں ادا کرسکتا،سوائے اس صورت میں کہ وہ ان کو کسی کا غلام پاوے اور اس کو خرید کر آزاد کرے۔

تشریح: اگر کسی کے ماں باپ غلام ہوں تو اس کو خرید کر آزاد کر دے، یہی ایک شکل ہے جس میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے ماں باپ کے احسان کا بدلہ چکایا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں۔

بعض محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے والدین میں سے کسی کو خریدے تو وہ خریدتے ہی آزاد ہو جاتے ہیں، ان کو مستقل آزاد کرنے کی ضرورت نہیں، تو اس حدیث میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کو آزاد کرنا ممکن نہیں کیوں کہ ان کو خریدتے ہی وہ خود آزاد ہو ہی جاتے ہیں، تو ماں باپ کا احسان چکانے کی ایک ہی شکل تھی کہ ان کو خرید کر آزاد کر دے، لیکن جب یہ بھی ممکن نہیں، تو ماں باپ کے احسانات چکانے کی کوئی بھی صورت نہیں رہی اور اولاد ہمیشہ اپنے والدین کی احسان مند رہے گی۔

١١ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، أَنَّهُ شَهِدَ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنه وَرَجُلٌ يَمَانِيٌّ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، حَمَلَ أُمَّهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، يَقُولُ:

إِنِّي لَهَا بَعِيرُهَا الْمُذَلَّ   إِنْ أُذْعِرَتْ رِكَابُهَا لَمْ أُذْعَرِ

ثُمَّ قَالَ: يَا ابْنَ عُمَرَ أَتُرَانِي جَزَيْتُهَا؟ قَالَ: لَا، وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ طَافَ ابْنُ عُمَرَ، فَأَتَى الْمَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: يَا ابْنَ أَبِي مُوسَى، إِنَّ كُلَّ رَكْعَتَيْنِ تُكَفِّرَانِ مَا أَمَامَهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک یمنی شخص کو دیکھا جو بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا

اور اس نے اپنی ماں کو اپنی پیٹھ پر اٹھا رکھا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا:

إِنِّي لَهَا بَعِيرُهَا الْمُذَلّ إِنْ أُذْعِرَتْ رِكَابُهَا لَمْ أُذْعَرِ

میں تو اپنی ماں کا تابع دار اور فرمانبردار اونٹ ہوں،

سواری تو کبھی بھی بدک سکتی ہے لیکن میں کبھی نہیں بدکوں گا۔

اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ اے ابن عمر! کیا میں نے اپنی ماں کے احسان کا بدلہ چکا دیا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، ابھی تو ان کی ایک آہ کا بدلہ بھی ادا نہیں ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے طواف کیا پھر مقام ابراہیم کے پاس آ کر دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد فرمایا کہ اے ابو موسیٰ کے بیٹے! یہ دو رکعتیں اس سے پہلے کے سارے گناہوں کو معاف کرا دیتی ہیں۔

تشریح: اس شخص نے اپنی ماں کی خدمت اور اطاعت کا اظہار اس شعر میں کیا کہ میں اپنی ماں کو اس طرح اپنی پیٹھ پر لیے پھر رہا ہوں جس طرح اونٹ اپنے مالک کو اپنے اوپر اٹھا کر چلتا ہے اور اپنے آپ کو مالک کا بالکل تابع بنا دیتا ہے، لیکن میرے اور سواری میں فرق یہ ہے کہ سواری کا حال تو یہ ہے کہ کبھی کبھی وہ بدک جاتی ہے اور اس کی وجہ سے سوار کو زحمت اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، لیکن میں بالکل مطیع اور فرمانبردار ہوں، کبھی نہیں بدکتا، یعنی کبھی بھی اپنی ماں کو ادنی درجے کی بھی تکلیف نہیں دیتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی اضافہ ہے أَحْمِلُهَا وَمَا حَمَلَتْنِي أَكْثَرَ کہ دوران حمل ماں نے جتنا مجھے پیٹ میں رکھا میں نے اس سے زیادہ ان کو اپنی پیٹھ پر رکھا۔

(البر والصلہ للمروزی)

دیکھیے، اس شخص نے اپنی ماں کی خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، اس کے

باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کو جننے کے وقت ماں نے جو آہیں نکالی تھیں، اس میں سے اب تک ایک آہ کا بھی بدلہ نہیں چکایا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ دنیا میں ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکایا جاسکتا ہے سوائے ماں باپ کے کہ ان کے احسان کا بدلہ دنیا میں ادا نہیں کر سکتے۔

اس شخص نے تو ماں کی بے مثال خدمت کی، اور اس کے باوجود اس کی کوئی حیثیت نہیں، تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارا اپنے والدین کے ساتھ جو سلوک ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

۱۲ -حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه كَانَ يَسْتَخْلِفُهُ مَرْوَانُ، وَكَانَ يَكُونُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَكَانَتْ أُمُّهُ فِي بَيْتٍ وَهُوَ فِي آخَرَ. قَالَ: فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ وَقَفَ عَلَى بَابِهَا فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَتَقُولُ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بُنَيَّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَيَقُولُ: رَحِمَكِ الله كَمَا رَبَّيْتِنِي صَغِيرًا، فَتَقُولُ: رَحِمَكَ الله كَمَا بَرَرْتَنِي كَبِيرًا، ثُمَّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ صَنَعَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: ابو مرہ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کا گونر مروان بن حکم جب مدینہ سے باہر جاتا تو کبھی کبھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بناتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مقام ذوالحلیفہ میں رہتے تھے، ایک کمرے میں آپ رہتے تھے اور دوسرے کمرے میں آپ کی والدہ رہتی تھیں، آپ کی عادت یہ تھی کہ جب آپ کہیں باہر جانا چاہتے تو اپنی ماں کے کمرہ کے

دروازہ پر کھڑے ہو کر عرض کرتے السَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، تو اس کے جواب میں ان کی والدہ کہتیں وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بُنَيَّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، پھر آپ عرض کرتے اے امی! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے کہ آپ نے مجھے بچپن میں پالا اور میرے ساتھ مہربانی کا معاملہ کیا۔ اس کے جواب میں آپ کی والدہ کہتیں، جس طرح تم نے بڑے ہو کر میرے ساتھ نیکی اور بھلائی کی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر بھی رحم کرے۔ جب آپ واپس آتے تھے اور اپنے گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے تو پھر اسی طرح سلام کرتے تھے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے، مدینہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن الحکم گورنر تھا، جب مروان کو کہیں باہر جانا ہوتا تھا تو اپنی جگہ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کر کے جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک گھر مقام ذوالحلیفہ میں تھا جس کو آپ نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد صدقہ کر دیا تھا۔ ذوالحلیفہ کو بیر علی بھی کہتے ہیں اور وہ مدینہ والوں کے لیے میقات ہے جہاں سے حج اور عمرہ کرنے والے احرام باندھتے ہیں۔ اس زمانے میں وہ مدینہ منورہ سے باہر تھا، لیکن اب مدینہ منورہ کی آبادی میں شامل ہو گیا ہے۔

اس قصے سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ گھر سے نکلے تو سلام کر کے اور دعا لے کر نکلے، اور گھر میں داخل ہو تو سلام کر کے اور دعا لے کر داخل ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا، آپ اپنی

ماں کی بڑی خدمت کرتے تھے، ماں کی حیات میں کہیں نہیں جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ حج میں بھی نہیں جاتے تھے، آپ کی والدہ کے انتقال کے بعد ہی حج میں جانے لگے۔ (تاریخ دمشق لابن العساکر)

۱۳ -وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُهُ عَلَى الْهِجْرَةِ، وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ يَبْكِيَانِ، فَقَالَ: "ارْجِعْ إِلَيْهِمَا، وَأَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کی نیت سے حاضر ہوا، جب کہ گھر میں ماں باپ رو رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوبارہ ان کے پاس جاؤ اور جیسے ان کو رلایا ہے اسی طرح ہنساؤ!

تشریح: فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد جیسی اہم عبادت میں بھی ماں باپ کی اجازت کی ضرورت رہتی ہے، اسی طرح طلب علم وغیرہ کے لیے اگر ماں باپ اجازت نہیں دیتے تو ان کی اجازت کے بغیر جانا درست نہیں۔

ہاں جب جہاد فرض عین ہو جائے اس وقت ان کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

۱۴ -وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُوسَى، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ، مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ ابْنَةِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ رَكِبَ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَى أَرْضِهِ بِالْعَقِيقِ فَإِذَا دَخَلَ أَرْضَهُ صَاحَ بِأَعْلَى صَوْتِهِ: عَلَيْكِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ يَا أُمَّتَاهُ، تَقُولُ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، يَقُولُ: رَحِمَكِ اللهُ كما رَبَّيْتِنِي صَغِيرًا،

فَتَقُولُ: يَا بُنَيَّ، وَأَنْتَ فَجَزَاكَ اللهُ خَيْرًا وَرَضِيَ عَنْكَ كَمَا بَرَرْتَنِي كَبِيرًا
قَالَ مُوسَى: كَانَ اسْمُ أَبِي هُرَيْرَةَ: عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ام ہانی کے غلام ابومرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک زمین وادی عقیق میں تھی، میں وہاں ایک مرتبہ آپ کے ساتھ گیا، جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہوئے، تو بلند آواز سے اپنی ماں کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے امی جان! علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس کے جواب میں آپ کی والدہ نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پھر بولے کہ اللہ تعالی آپ پر رحم کرے جیسا بچپن میں آپ نے میری پرورش فرمائی۔ اس کے جواب میں آپ کی والدہ نے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ آپ کو بھی بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہوجائے کہ تم نے بڑے ہونے پر میرے ساتھ حسن سلوک کیا۔

اس حدیث کے راوی موسی کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبداللہ بن عمرو ہے۔

تشریح: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن اور ابوطالب کی صاحبزادی ہیں، اس حدیث کے راوی ابومرہ ام ہانی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

وادئ عقیق مدینہ منورہ کی ایک مشہور وادی ہے، جو ذوالحلیفہ سے گزرتی ہے جس کا ذکر اس سے پہلی روایت میں آچکا ہے۔

ابوہریرہ آپ کی کنیت ہے، لیکن اس کنیت سے آپ اتنے مشہور ہوگئے کہ بعد والوں کو معلوم بھی نہیں کہ اصل نام کیا تھا، اس لیے راوی نے حدیث کے آخر میں اس کو ذکر کردیا کہ اصل نام عبداللہ بن عمرو ہے۔ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اصل نام کیا تھا، بعض کہتے ہیں عبدالرحمن بن صخر اور بعض کہتے ہیں عبدشمس نام تھا۔

اس کنیت کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن آپ کے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی جس کو

آپ اپنی آستین میں لیے پھر رہے تھے۔ جب نبی ﷺ نے آپ کی آستین میں اس بلی کو دیکھا تو ازراہ مزاح فرمایا یَا أَبَا هِرٍّ! اس وقت سے یہ کنیت آپ کے ساتھ ایسی لگی کہ اصل نام کا بھی صحیح طور پر پتہ نہ رہا۔

بَابُ عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

١٥ -حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟" ثَلَاثًا، قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: "الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ - وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا - أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ"، مَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْتُ: لَيْتَهُ سَكَتَ.

والدین کی نافرمانی (اوران کے ساتھ بدسلوکی)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تم کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتلاؤں؟ آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول ﷺ ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی (اوران کے ساتھ بدسلوکی) کرنا، آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اس کے بعد آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا سنو (اور) جھوٹی بات کہنا (بھی کبیرہ گناہ ہے) آپ ﷺ بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے یہاں تک میں نے دل ہی دل میں کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔

تشریح: آپ ﷺ نے اس حدیث میں تین بڑے گناہ ذکر کیے ہیں، اس میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے، لیکن سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جھوٹ بولنے کی قباحت جس انداز میں آپ نے بیان کی اس طرح شرک کی بیان نہیں کی حالانکہ شرک تو سب سے بڑا گناہ ہے اور جھوٹ سے بہت بڑھ کر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گو شرک اکبر الکبائر ہے اور یقیناً جھوٹ سے بڑھ کر ہے، لیکن لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد شرک میں مبتلا کم ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف لوگ جھوٹ میں بہت جلدی مبتلا ہو جاتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ جھوٹ کو اتنا بڑا گناہ نہیں سمجھتے جب کہ ہر مسلمان کا دل کفر و شرک سے نفرت کرتا ہی ہے اور اس سے وہ کوسوں دور رہتا ہے تو اس میں مبتلا ہونے کا اتنا اندیشہ نہیں جتنا جھوٹ میں مبتلا ہونے کا ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے خاموش ہونے کی تمنا اس لیے کی کہ ان کو کسی بھی حالت میں یہ گوارہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ آپ ﷺ کو اس جملے کو بار بار دہرانے سے زحمت ہوتی ہے اور جھوٹ بولنے کی قباحت دل میں بیٹھ چکی ہے، لہذا اب اس جملے کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں رہی تو آپ پر رحم کے تقاضے سے یہ سوچا کہ اگر آپ خاموش ہو جائیں تو اچھا ہوگا۔

١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ وَرَّادٍ، كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ: اكْتُبْ إِلَيَّ بِمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قَالَ وَرَّادٌ: فَأَمْلَى عَلَيَّ وَكَتَبْتُ بِيَدَيَّ: إِنِّي سَمِعْتُهُ يَنْهَى عَنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَعَنْ قِيلَ وَقَالَ

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب ورَّاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط بھیجا کہ آپ مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث لکھ بھیجیں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے لکھوایا اور میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ کثرت سوال سے، مال کو ضائع کرنے سے اور زیادہ قیل وقال سے منع کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے، سب سے پہلے کثرت سوال سے منع کیا گیا۔ کثرت سوال کا ایک مطلب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے کسی سے کوئی چیز نہیں مانگنا چاہیے۔ آدمی کو چاہیے کہ جب کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کرے، وہی ہر ایک کی ضرورت پوری کرنے والا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ ہر چیز اللہ سے مانگے یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تب بھی سب سے پہلے اللہ سے مانگے۔ (الترمذی)

اور خوامخواہ لوگوں سے سوال کرنے پر احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ من جملہ وعیدوں میں سے ایک وعید یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے بغیر ضرورت کے سوال کرتا پھرے گا قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ (سنن ابی داوٗد)

کثرت سوال کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت مسائل پوچھتے رہنا، یا بیہودہ سوال کرنا، اس قسم کا ایک واقعہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیش آیا تھا، ایک مرتبہ چندلوگ نبی ﷺ سے بیہودہ سوال کررہے تھے، ایک شخص نے پوچھا کہ میرے والد کون ہیں، دوسرے نے پوچھا کی میری اونٹنی کہاں ہے۔اس قسم کے سوال سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کرلیا اور ڈر گئے کہ کہیں اس قسم کی بے ادبی سے اللہ تعالی کا غصہ ہم پر نازل نہ ہوجائے۔آپ اٹھے اور نبی ﷺ کے قدموں سے چمٹ گئے اور معافی مانگتے رہے یہاں تک کہ نبی ﷺ راضی ہو گئے۔(الدرالمنثور)

دوسری چیز جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ مال کو ضائع کرنا ہے، اس لیے کہ مال بھی اللہ تعالی کی طرف سے امانت ہے، چاہے اپنا مال ہو یا کسی اور کا، اس کو جس طرح استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح استعمال کرنے کی اجازت ہے، اگر پیسے بلاوجہ ضائع کردیئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں پوچھ ہوسکتی ہے۔

تیسری چیز جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ لوگوں کی ادھرادھر کی باتیں کرنا ہے، لوگوں کے حالات کی تحقیق کرتے رہنا کہ کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث کو والدین کی نافرمانی کے بیان میں ذکر کیا، حالانکہ اس حدیث میں والدین کی نافرمانی کا کوئی ذکر نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں تین اور مقامات پر بھی ذکر کیا ہے، باب البخل، باب السرف فی المال اور باب النقش فی البنیان میں، دوجگہوں پر عن عقوق الامھات، ووأدِ البنات کا اضافہ ہے یعنی نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور ماؤں کی نافرمانی کرنے سے منع فرمایا، اسی مناسبت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔

بَابُ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ

١٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ: سُئِلَ عَلِيٌّ: هَلْ خَصَّكُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّ بِهِ النَّاسَ كَافَّةً؟ قَالَ: مَا خَصَّنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّ بِهِ النَّاسَ، إِلَّا مَا فِي قِرَابِ سَيْفِي، ثُمَّ أَخْرَجَ صَحِيفَةً، فَإِذَا فِيهَا مَكْتُوبٌ: "لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا".

اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے والدین پر لعنت کرے

ترجمہ: حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ لوگوں کو کوئی خاص چیز بتلائی ہے جو دوسروں کو نہیں بتلائی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو کوئی ایسی خاص چیز نہیں بتلائی جو دوسروں کو نہ بتلائی ہو، سوائے وہ باتیں جو میری تلوار کے نیام میں ہیں۔ پھر آپ نے اس میں سے ایک پرچہ نکالا، جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے، اور اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو زمین کے نشان کی چوری کرے، اور اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے والدین پر لعنت کرے، اور اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو کسی بدعتی کو پناہ دے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چند حضرات نے یہ غلط بات مشہور کردی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ مخصوص چیزیں ایسی بتلائی ہیں جو اوروں کو نہیں بتلائیں، اسی وجہ سے کسی نے آپ سے یہ سوال کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید فرمائی اور ساتھ میں یہ بتلایا کہ میرے پاس ایک پرچہ ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بات محفوظ ہے، کہ تین گناہگاروں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مخصوص علم یا بھید میرے پاس نہیں۔

پہلا گناہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ اگر غیر اللہ کے نام پر کوئی جانور ذبح ہوا ہو تو اس کو کھانے کی اجازت نہیں۔

دوسرا گناہ زمین کے نشان کو چُرانا ہے یعنی زمین کے نشان کو ادھر ادھر کر دینا، جو آدمی کسی کی زمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے وہ زمین کے نشانات کو ہٹا دیتا ہے، زمین کے نشانات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، حکومتیں بھی ان نشانات کا بڑا اہتمام کرتی ہیں، اور جو آدمی اس کو ہٹاتا ہے اس کو مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

تیسرا گناہ جس کا اس حدیث میں ذکر کیا ہے وہ والدین پر لعنت بھیجنا ہے۔ اسی مضمون کو بخاری شریف کی ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آدمی کس طرح اپنے والدین پر لعنت بھیج سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک آدمی دوسرے کے والدین کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کے جواب میں پہلے شخص کے والدین کو گالی دیتا ہے، تو وہ پہلا شخص چونکہ سبب بنا، اگر وہ دوسرے کے والدین کو گالی نہ دیتا تو وہ اس کے والدین کو گالی نہ دیتا، تو سبب بننے کی وجہ سے اس کو لعنت کرنے کا گناہ ہوا، گویا اس نے بالواسطہ اپنے

والدین کو گالی دی۔

بَابُ يَبَرُّ وَالِدَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ مَعْصِيَةً

١٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الْخَطَّابِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ الْبَصْرِيُّ - لَقِيتُهُ بِالرَّمْلَةِ - قَالَ: حَدَّثَنِي رَاشِدٌ أَبُو مُحَمَّدٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه قَالَ: أَوْصَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتِسْعٍ: لَا تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا؛ وَإِنْ قُطِّعْتَ أَوْ حُرِّقْتَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ مُتَعَمِّدًا، وَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ، وَلَا تَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ، وَأَطِعْ وَالِدَيْكَ، وَإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ دُنْيَاكَ فَاخْرُجْ لَهُمَا، وَلَا تُنَازِعَنَّ وُلَاةَ الْأَمْرِ وَإِنْ رَأَيْتَ أَنَّكَ أَنْتَ، وَلَا تَفْرُرْ مِنَ الزَّحْفِ، وَإِنْ هَلَكْتَ وَفَرَّ أَصْحَابُكَ، وَأَنْفِقْ مِنْ طَوْلِكَ عَلَى أَهْلِكَ، وَلَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَلَىٰ أَهْلِكَ، وَأَخِفْهُمْ فِي اللهِ عَزَّ وَجَلَّ .

ماں باپ کی فرمانبرداری کرتا رہے بشرطیکہ گناہ نہ ہو

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الدرداء رضی اللہ تعالی عنہا اپنے شوہر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے مجھے نو باتوں کی وصیت فرمائی:

۱) اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا جلا دیا جائے۔

۲) فرض نماز جان بوجھ کر مت چھوڑو! اس لیے کہ جو شخص جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑتا ہے

اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہوجاتا ہے،

۳) شراب نہ پیو، اس لیے کہ وہ ہر برائی کی جڑ ہے،

۴) اپنے ماں باپ کی فرماں برداری اور اطاعت کرو! اگر وہ تم کو حکم دیں کہ تم اپنا سارا مال چھوڑ دو تو تم چھوڑ دو،

۵) حکمرانوں سے جھگڑا مت کرو، چاہے آپ اپنے کو حق پر سمجھتے ہو،

۶) میدان جنگ سے مت بھاگو! چاہے تم ہلاک ہوجاؤ اور تمہارے ساتھی بھاگ جائیں۔

۷) اپنی حیثیت کے مطابق اپنے گھر والوں پر خرچ کرو،

۸) گھر والوں پر لکڑی مت اٹھاؤ،

۹) گھر والوں کو اللہ تعالی کے معاملہ میں ڈراتے رہو!

تشریح: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ام الدرداء کہتے ہیں، دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے پہلی کو کبری یعنی بڑی کہتے ہیں اور دوسری کو صغری یعنی چھوٹی کہتے ہیں۔ پہلی تو صحابیہ ہیں اور وہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں انتقال کر گئیں۔ دوسری جن کی یہ روایت ہے وہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بھی حیات تھیں، وہ بڑی فقیہہ تھیں، انہوں نے خود اپنے شوہر سے بہت سی روایتیں نقل کیں اور اس کے علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ سے بھی روایت کرتی ہیں، بڑی زاہدہ عابدہ تھیں اور حسن و جمال میں بھی معروف تھیں، انہوں نے بہت لمبی عمر بھی پائی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء)

مذکورہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بڑی قیمتی نصیحتیں فرمائیں، سب سے پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، چاہے اس کے لیے جان قربان کرنی پڑے۔ یہ اعلی درجہ اور عزیمت کی

بات ہے، ورنہ اگر کوئی شخص اپنی جان کی حفاظت کی خاطر دل کے اطمینان کے ساتھ صرف زبان سے شرکیہ الفاظ کہہ دے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

اوامر میں سے سب سے مہتم بالشان عبادت نماز ہے، جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالی کی طرف سے اس کی حفاظت کا وعدہ ہے۔اور نواہی میں سب سے بری چیز شراب پینا ہے جس کو حدیث میں أُمُّ الْخَبَائِثِ سے تعبیر کیا گیا (دار قطنی) اس لیے کہ جب کوئی شراب پیئے گا تو اس کی عقل باقی نہیں رہے گی، جب عقل جو برائیوں سے روکتی ہے وہی چلی گئی، تو وہ گناہ سے کیسے بچے گا؟

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو ہر حال میں لازم پکڑنا ہے، اگر وہ تم کو دنیا سے نکلنے کو یعنی مال چھوڑنے کو کہیں تب بھی تم اس کے لیے تیار ہوجاؤ اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوئی کمی نہ چھوڑو جب تک کہ وہ کوئی معصیت یا گناہ کا ارتکاب کرنے پر مجبور نہ کریں۔

شریعت نے ماں باپ کی اطاعت کو بجالانے اور نہ بجالانے کے بارے میں تین اصول ذکر کیے ہیں:

۱) اگر ماں باپ کسی ایسے کام کرنے کا حکم کریں جس کو شریعت نے بھی کرنا ضروری قرار دیا ہے اس کو تو ہر حال میں بجالانا ہے۔

۲) ماں باپ ایسا کام کے کرنے کا حکم دیں جس کو شریعت نے مستحب اور مباح بتلایا ہے، اب وہ مباح اور مستحب کام ماں باپ کے حکم کرنے سے ضروری ہوجاتا ہے، اس کو محض مستحب اور مباح سمجھ کر چھوڑ نہیں سکتے۔مثلا وہ یہ کہیں کہ اپنے گھر کو چھوڑ دو تو اس کو چھوڑنا ضروری ہوجائے گا۔

۳) اگر ماں باپ ممنوعات شرعیہ میں سے کسی کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت اور فرماں برداری نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری تو اللہ تعالی کے حکم کو بجالانے کے لیے کی جاتی ہے نہ کہ اللہ تعالی کی حرام کی ہوئی چیز کو کرنے کے لیے۔

اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (أحمد) یعنی کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی جب وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دے۔

آج کل یہ عام شکایت ہوتی ہے کہ ہمارے ماں باپ ہم کو ڈاڑھی رکھنے سے منع کرتے ہیں، پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے پر مجبور کرتے ہیں تو ان کی یہ بات ماننا جائز نہیں ہے اور ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح ماں باپ رشتہ کو قطع کرنے کا حکم دیں تو اس میں بھی ان کی بات مانی نہیں جائے گی۔

جس طرح والدین کی اطاعت کرنا ضروری ہے اسی طرح حکمران کی اطاعت کرنا بھی ضروری ہے، اگر چہ تمہاری بات درست ہو تب بھی اپنی بات کو چھوڑ کر ان کی اطاعت کو لازم پکڑو تاکہ فتنے اور جھگڑے سے محفوظ رہو۔

اسی طرح اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں بخل نہ کرو، لیکن اس کا بھی خیال کرو کہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر نہ ہو اور فضول خرچی نہ ہو۔

اور آخری نصیحت جو آپ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ وَلَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَلٰى أَهْلِكَ، یعنی اپنے گھر والوں کی پٹائی نہ کرو، اور بعض روایتوں میں عَلٰى أَهْلِكَ کے بجائے عَنْ أَهْلِكَ آیا ہے، یعنی گھر والوں سے لکڑی مت اٹھانا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سخت نگرانی کرنا اور ان کے معاملہ میں چشم پوشی سے کام نہ لینا،

لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ان کی بے دردی سے پٹائی کرے۔ (کشف المشکل لابن الجوزی)

١٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: جِئْتُ أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ، وَتَرَكْتُ أَبَوَيَّ يَبْكِيَانِ؟ قَالَ: "ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَأَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپ کے دست مبارک پر ہجرت کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ اور ان کو ہنساؤ جیسے ان کو رُلایا ہے۔

تشریح: دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں ہے، دین تو اللہ تعالی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات کو ماننے کا نام ہے۔ دیکھو! اس شخص نے ہجرت کا سفر کیا اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ وہ شخص یمن سے آیا تھا اور یمن مدینہ منورہ سے کافی فاصلے پر ہے۔ اور مستدرک حاکم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جہاد کی نیت کر کے آیا تھا، اور اپنے زعم میں سمجھ رہا تھا کہ میں نے دین کے لیے اتنی بڑی قربانی دی ہے کہ اپنے والدین کے رونے کی بھی پروا نہیں کی؛ لیکن اس کے اس فعل پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ آپ کی یہ قربانی اسی وقت قبول ہوگی جب تم اپنے والدین کو کو ہنسا کر آؤ جس طرح تم نے رونے کی حالت میں چھوڑا ہے۔

ہاں شریعت نے جن احکام کو فرض قرار دیا ہے، مثلاً جہاد جب فرض عین ہو جائے اس وقت ماں باپ کی اجازت ضروری نہیں، اسی طرح علم کی اتنی مقدار سیکھنے کے لیے

سفر کرنا جتنا ہر آدمی پر فرض ہے اس کے لیے ماں باپ کی اجازت کی ضرورت نہیں، ہاں اگر جہاد فرض عین نہ ہو اسی طرح ضرورت سے زائد علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا ہو تو اس وقت ماں باپ منع کریں تو جانا درست نہیں، بلکہ حرام ہے۔

٢٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الْأَعْمَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ الْجِهَادَ، فَقَالَ: ''أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟'' فَقَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ: ''فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ''.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنماہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی جہاد کے ارادہ سے حاضر ہوا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں؟ کہا جی ہاں! کہا کہ انہی میں جہاد کر!

تشریح: جس طرح جہاد کرنا بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے اسی طرح والدین کی خدمت کرنا بھی جہاد ہی کا درجہ رکھتا ہے، اور اس پر بھی وہی ثواب ملے گا جو جہاد پر ملتا ہے، بلکہ اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خدمت کرنے والا نہ ہو اور یہ بھی اندیشہ ہو کہ اگر وہ جہاد میں چلا گیا تو والدین کی موت واقع ہو سکتی ہے تو ایسی حالت میں جہاد کی ہرگز اجازت نہیں۔ اگر اس حالت میں والدین کو چھوڑ کر جہاد کے لیے چلا گیا تو عتاب کا مستحق ہوگا۔

بَابُ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ

٢١ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ:

حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رَغِمَ أَنْفُهُ، رَغِمَ أَنْفُهُ، رَغِمَ أَنْفُهُ"، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ مَنْ؟ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ، أَوْ أَحَدَهُمَا، فَدَخَلَ النَّارَ".

اس شخص کا بیان جس نے اپنے والدین کو پایا؛ لیکن ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہیں ہوا

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو (یعنی وہ آدمی رسوا ہو)، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون (کس کی ناک خاک آلود ہو)؟ فرمایا کہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر بھی وہ جہنم میں داخل ہوا۔

تشریح: اللہ تعالی نے کسی کو بوڑھے ماں باپ جیسی قیمتی دولت عطا فرمائی ہو، تاکہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل کرے لیکن اس نے اس دولت کی قدر نہیں کی یعنی ان کی خدمت نہیں کی جس کی وجہ سے وہ جنت کا مستحق نہیں ہوا اس سے زیادہ کون بدبخت ہوسکتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اس کی ناک خاک آلود ہو۔

بَابُ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ زَادَ اللهُ فِي عُمْرِهِ

۲۲ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ، عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ طُوبَى لَهُ، زَادَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فِي عُمْرِهِ".

جو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرماتا ہے

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے لیے خوش خبری ہو جو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرماتا ہے۔

تشریح: والدین کی خدمت کا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا ایک اور فائدہ بتلا رہے ہیں کہ جو آدمی ماں باپ کی خدمت کرتا ہے، ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے اور ان کو راضی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں اور روزی میں اضافہ فرماتا ہے اور اس کی زندگی بابرکت ہو جاتی ہے۔

بَابُ لَا يَسْتَغْفِرُ لِأَبِيهِ الْمُشْرِكِ

٢٣ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ [الإسراء: ٢٤]، فَنَسَخَتْهَا الْآيَةُ فِي بَرَاءَةَ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [التوبة: ١١٣]

اپنے مشرک والد کے لیے استغفار نہیں کر سکتے

ترجمہ: قرآن مجید کی آیت إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا

فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ (اگر وہ تیرے پاس ہوں اور ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر میں پہنچ جائیں اس وقت ان کو کبھی ہوں بھی مت کہنا) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کو سورۂ برأت کی آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اس امر کے ظاہر ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں) کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔

تشریح: اولاد کے ذمہ جو حقوق مسلمان ماں باپ کے ہیں وہی سارے حقوق مشرک ماں باپ کے بھی ہیں، مثلاً ان کی خدمت کرنا، ان کو کھلانا پلانا، ان کا لباس وغیرہ کا خیال رکھنا، جو بھی ان کی دنیوی ضروریات ہیں وہ مشرک ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتیں، اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو جس طرح مسلمان ماں باپ کے حقوق میں کوتاہی کرنے پر آخرت میں سوال ہوگا اسی طرح مشرک ماں باپ کے حقوق میں کوتاہی کرنے پر بھی سوال ہوگا۔ ہاں، اگر ان کا انتقال ہوجائے تو اب جس طرح مسلمان ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کر سکتے ہیں مشرک ماں باپ کے لیے نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں صراحۃً اس کی ممانعت آئی ہے۔

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ

والدین جب بوڑھے ہوجاتے ہیں تو سوچنے سمجھنے اور برداشت کی صلاحیتیں کم ہوجاتی ہیں، اور ساتھ ساتھ ان کی عقل میں بھی کچھ فتور آجاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے مزاج کے اندر تھوڑا چڑچڑا پن آجاتا ہے اور کبھی نہ کہنے کی بات بھی کہہ دیتے

ہیں اور نہ کرنے کا کام بھی کر بیٹھتے ہیں، ایسی حالت میں اولاد کی ذمہ داری ہے کہ صبر وضبط سے کام لیں اور جذبات سے مغلوب ہوکراس وقت شریعت مطہرہ کی تعلیم کو پس پشت نہ ڈالیں اور جس طرح بھی ہوسکے ان کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کرے۔

بوڑھے والدین کے ساتھ شفقت

باپ کی شفقت کو اور بیٹے کی بدتمیزی کو سمجھانے کے لیے ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھا باپ اپنے جوان بیٹے کے ساتھ گھر کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک چڑیا آئی، باپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا کہ چڑیا ہے، باپ تھوڑی دیر بعد پھر بولا یہ کیا ہے؟ بیٹے نے ذرا لہجہ بدل کر کہا کہ چڑیا ہے ابا! چڑیا؛ تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پھر پوچھا بیٹا یہ کیا ہے؟ تو اب بیٹے کے تیور بدل گئے اور غصہ سے کہنے لگا کتنی مرتبہ آپ پوچھتے رہیں گے؟ یہ چڑیا ہے نا!! چڑیا!! تو باپ خاموشی کے ساتھ اٹھا اور گھر میں گیا اور وہاں سے ایک کاپی لے آیا، بیٹے سے کہا کہ فلاں صفحہ کھول کر پڑھو، اس میں باپ نے اپنے ہاتھ سے کئی سالوں پہلے کا ایک واقعہ لکھا تھا کہ آج گھر کے صحن میں اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک چڑیا سامنے آکر بیٹھی، بیٹے نے مجھ سے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ بیٹا یہ تو چڑیا ہے، اس نے پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ تو میں نے اور شفقت سے جواب دیا کہ چڑیا ہے، اور جب بھی پوچھتا تھا مجھے اور بھی لاڈ اور پیار آتا تھا، اس کا پوچھنا اچھا لگتا تھا اور محبت کے ساتھ اس نے مجھے پچیس مرتبہ پوچھا اور میں نے پچیس کے پچیس مرتبہ محبت اور لاڈ پیار کے ساتھ کہا کہ بیٹا! چڑیا ہے۔

ممکن یہ ایک فرضی قصہ ہو، لیکن بہت عبرت سے بھرپور ہے۔ کبھی بوڑھاپے کی وجہ سے ماں باپ میں صبر وضبط کی طاقت نہیں رہتی اور ان سے ایسے کام ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے اولاد کو فطری طور پر چڑ آتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ایسے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ان کو جھڑکنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنے کی اور ان کے سامنے تواضع سے پیش آنے کی ترغیب دی ہے۔ اور ان کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے کہ اے اللہ! جیسے ماں باپ نے بچپن میں مجھے پالا، پرورش کی تو بھی ان کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا معاملہ فرما۔

ابوطالب کی آخری گھڑی اور آپ ﷺ کی آخری کوشش

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

یہ سورۂ برأت کی آیت ہے، اس کے شان نزول کے سلسلے میں بتلایا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب جنہوں نے حضور ﷺ کی بہت حمایت اور مدد کی تھی، ان کی موت کا وقت قریب آیا تو مکہ میں یہ خبر پھیلی کہ ابوطالب کی آخری گھڑیاں چل رہی ہیں، تو ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہ پہلے ہی پہنچ گئے کہ کہیں آخری وقت میں بھتیجا ان سے کلمہ نہ پڑھوالے، اور ابوطالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، حضور ﷺ کے تشریف لانے پر ابوجہل نے جلدی سے وہ جگہ روک لی اور وہیں بیٹھ گیا تاکہ آپ ﷺ کو اپنے چچا کے قریب بیٹھنے کی جگہ نہ ملے، حضور ﷺ نے اپنے چچا سے

عرض کیا کہ چچا! آپ کلمہ پڑھ لیجئے تاکہ میں اللہ تعالی کے حضور میں آپ کی سفارش کرسکوں، ادھر ابوجہل نے کہا کہ ابوطالب! اب آخری گھڑی ہے، اس وقت باپ دادا کے دھرم کو چھوڑ دو گے؟ وہ برابر ابوطالب کو اپنے باپ دادا کے دین پر جمے رہنے کی ترغیب دیتا رہا یہاں تک کہ مرنے سے پہلے آخری بات جو ابوطالب کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب اور دھرم پر جارہا ہوں، حضور ﷺ کو اس سے بڑا صدمہ ہوا، اور آپ نے یہ فرمایا تھا کہ میں تمہارے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ میں روک نہ دیا جاؤں، چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع کردیا گیا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ الْمُشْرِكِ

٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ قَالَ حَدَّثَنَا سِمَاكٌ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضي الله عنه قَالَ: نَزَلَتْ فِيَّ أَرْبَعُ آيَاتٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى كَانَتْ أُمِّي حَلَفَتْ أَنْ لَا تَأْكُلَ وَلَا تَشْرَبَ حَتَّى أُفَارِقَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ [لقمان: ١٥] . وَالثَّانِيَةُ: أَنِّي كُنْتُ أَخَذْتُ سَيْفًا أَعْجَبَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَبْ لِي هٰذَا، فَنَزَلَتْ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾ [الأنفال: ١] . وَالثَّالِثَةُ: أَنِّي مَرِضْتُ فَأَتَانِي

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَقْسِمَ مَالِي، أَفَأُوصِي بِالنِّصْفِ؟ فَقَالَ: "لَا"، فَقُلْتُ: الثُّلُثُ؟ فَسَكَتَ، فَكَانَ الثُّلُثُ بَعْدَهُ جَائِزًا. وَالرَّابِعَةُ: إِنِّي شَرِبْتُ الْخَمْرَ مَعَ قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَضَرَبَ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَنْفِي بِلَحْيِ جَمَلٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ عَزَّ وَجَلَّ تَحْرِيمَ الْخَمْرِ.

مشرک ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی چار آیتیں میرے حق میں نازل ہوئیں:

(۱) میری والدہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ نہ کھائیں گی اور نہ پیئیں گی یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دوں، اس پر اللہ تعالی نے قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾.

(۲) مال غنیمت میں سے ایک تلوار مجھے بہت اچھی لگی میں نے اس کو اٹھا لی اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لا کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرما دیجیے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ الخ۔

(۳) ایک مرتبہ میں بیمار ہوا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں، کیا میں آدھے مال کی وصیت کرسکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ پھر میں نے پوچھا کہ تہائی مال کی؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہائی مال کی وصیت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

(۴) ایک مرتبہ انصار کے کچھ لوگوں کے ساتھ میں نے (شراب کی حرمت کے نزول سے پہلے) شراب پی (نشہ کی حالت میں) انصار میں سے ایک شخص نے اٹھ کر اونٹ کے نچلے جبڑے کی ہڈی لے کر مجھے مارا، میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا (اور پورا واقعہ ذکر کیا) اس پر شراب کی حرمت والی آیت نازل ہوئی۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [سورة المائدة: ۹۰]

تشریح: صحابیٔ رسول حضرت سعد رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، آپ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے، آپ قریش کے مشہور قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں (بنو زہرہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا خاندان ہے) مستجاب الدعوات تھے، تیر اندازی میں بہت ماہر تھے، راہ خدا میں سب سے پہلے تیر چلانے کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی، غزوۂ احد میں جب بعض مسلمان پیچھے ہٹنے لگے تو آپ برابر نبی ﷺ کی حفاظت میں لگے رہے اور اتنی جانبازی سے دفاع فرماتے رہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار آیتیں اپنے کلام پاک میں نازل فرمائیں، سب سے پہلی آیت: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھیرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا کے معاملات میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا

میری والدہ نے جب میرے اسلام لانے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور مجھے اسلام سے ہٹانے کے لیے سارے حربے اختیار کر لیے، لیکن میں اسلام سے نہ ہٹا،تو اخیر میں انہوں نے یہ قسم کھالی کہ جب تک میں اسلام سے نہ ہٹوں کھانا پینا سب بند کر دوں گی۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کی ماں نے یہ بھی کہا کہ تم کو اسلام نے حکم دیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، اور میں تم سے راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ تم اسلام نہ چھوڑو! چنانچہ میری والدہ نے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا جس کے نتیجہ میں وہ بالکل کمزور ہو گئ تو لوگوں نے زبردستی ان کے منھ میں لکڑی ٹھونس کر انہیں کھلایا پلایا، بہر حال وہ اپنی ضد پر اڑی رہی کہ جب تک کہ تم اسلام نہیں چھوڑو گے کھانا نہیں کھاؤں گی۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ تمہارا اس حال میں مر جانا مجھے گوارا ہے، مگر اسلام کو چھوڑنا مجھے کسی حالت میں گوارا نہیں، تمہاری ایک جان تو کیا اگر سو جانیں بھی ہوتیں اور وہ سب اسی طرح چلی جاتیں تب بھی میں اسلام نہ چھوڑتا (تفسیر بن کثیر)

ماں نے چونکہ یہ حوالہ دیا تھا کہ اسلام نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، لہٰذا تم اسلام چھوڑ کر میری بات مانو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری آیت: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾ الخ ہے۔ یہ آیت غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی، اس غزوہ میں جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا اس کے متعلق اب تک کوئی تفصیلی حکم نازل نہیں ہوا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں ایک تلوار دیکھی جو مجھے بہت اچھی لگی، میں نے اس کو اٹھایا اور لے کر آپ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرما دیجیے؟

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اس کو واپس اپنی جگہ رکھ دو اس لیے کہ اِس وقت یہ تلوار نہ میری ہے نہ تیری۔ میں تلوار واپس رکھنے کے لیے جا رہا تھا اور دل دل میں سوچ رہا تھا کہ شاید یہ تلوار ایسے آدمی کو دی جائے گی جس نے لڑائی میں میرے جیسی بہادری نہیں دکھائی ہوگی، یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پیچھے سے ایک آواز آئی کہ آپ ﷺ تم کو بلا رہے ہیں، میں نے سوچا کہ شاید میرے اس خیال پر اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع فرما دیا اور میری سرزنش میں کوئی آیت نازل ہوئی، جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی، لیکن اس وقت وہ نہ میری تھی نہ تیری، لیکن اب اللہ تعالی نے مجھے اس کا مالک بنا دیا ہے، اور اب میں اس کو تم کو دے رہا ہوں، آپ ﷺ نے وہ تلوار مجھے عنایت فرمائی، پھر آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ (ابوداؤد)

تیسری آیت جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ وصیت کے متعلق ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت بیمار ہو گئے اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس بیماری میں آپ کا انتقال ہو جائے گا۔ آپ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میری ایک ہی بیٹی ہے، اس لیے میں اپنا کچھ مال اللہ تعالی کے راستہ میں دینا چاہتا ہوں، کیا میں اپنے آدھے مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دو تہائی مال کی اجازت طلب کی، جب آپ ﷺ نے دو تہائی سے منع فرمایا تو پھر ایک تہائی مال کی وصیت کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، جس

طرح آپ ﷺ کا جواب دینا یہ اجازت ہے اس طرح آپ ﷺ کی خاموشی یہ بھی اجازت ہے، گویا آپ کی خاموشی اجازت تھی۔

اس موقع پر کونسی آیت نازل ہوئی اس کا نہ حدیث میں کوئی ذکر ہے نہ شراح نے اس کی طرف اشارہ کیا؛ البتہ دوسری روایتوں میں اس قصہ کی جگہ پر ایک اور قصہ ذکر کیا جاتا ہے جس میں ایک آیت کے نزول کا بھی ذکر ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود اس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ کچھ چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے، میں، عبداللہ بن مسعود، بلال، ہذیل کا ایک آدمی اور دوسرے دو جن کا نام میں نہیں لیتا، مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے ہٹا دیجیے، ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہم پر جرأت کر بیٹھیں (یعنی یہ تو ہمارے غلام ہیں، اگر ہم آپ کے پاس ان کے ساتھ بیٹھیں گے تو وہ اپنے کو ہمارے برابر سمجھنے لگیں گے) اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾

ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے صرف اللہ تعالی کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں۔

ابن جریر الطبری نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کو مزید تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ قریش کے چند سردار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، مطعم بن عدی وغیرہ نے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب سے کہا کہ آپ کے بھتیجے کی بات سننے اور ماننے میں ہمارے لیے ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ان کے ارد گرد ہر وقت ہمارے غلام اور حقیر و ذلیل لوگ رہتے ہیں، ہم آپ کے بھتیجے کی مجلس میں ان کے ہوتے ہوئے شریک نہیں ہو سکتے،

آپ اپنے بھتیجے سے کہہ دیں کہ اگر ہمارے آنے کے وقت ان لوگوں کو مجلس سے ہٹا دیا کریں تو ہم آپ کے بھتیجے کی بات سنیں گے اور غور کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس پر یہ مشورہ دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کچھ دنوں کے لیے آپ یہ بھی کر دیکھیں، یہ لوگ تو آپ کے بے تکلف محبین ہیں، ان لوگوں کے آنے کے وقت مجلس سے ہٹ جایا کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾

چوتھی آیت: حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ مہاجر اور انصار ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے، میں وہاں سے گذرا تو مجھے بھی بلایا، میں بھی گیا، وہاں اونٹ کا گوشت اور شراب رکھی ہوئی تھی اس لیے کہ اس وقت ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی، ہم سب نے اونٹ کا گوشت کھایا اور شراب پی، شراب پینے کے بعد میں نے مہاجرین کی تعریف کچھ اس طرح کی کہ مہاجرین کو انصار پر ترجیح دی۔ اس پر ایک انصاری جو شراب میں مست تھے اٹھے اور اٹھ کر اونٹ کی شانے کی ہڈی میرے کندھے پر ماری جس سے میں لہولُہان ہو گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جا کر میں نے شکایت کی اس پر یہ آیت ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ الخ نازل ہوئی۔

حدیث کا خلاصہ یہ کہ اگر کسی کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مشرک یا کافر ہو تو مشرک ہونے کے باوجود جو حقوق اولاد پر شریعت نے لازم کیے ہیں وہ ساقط نہیں ہوتے، وہ تو اپنی جگہ باقی رہیں گے۔

۲۵ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ:حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: أَخْبَرَتْنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً، فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَصِلُهَا؟ قَالَ: "نَعَمْ" . قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا: ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهم وَتُقْسِطُوا اِلَيْهِمْ﴾ [الممتحنة: ۸]

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد میری ماں مدد کی امید سے میرے پاس آئی، اس وقت وہ مشرکہ تھی، میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرسکتی ہوں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاں! سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہی کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُم اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے، اللہ تعالی انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

تشریح: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحب زادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ میں دو شادیاں کی تھیں، پہلی بیوی کا نام قتیلہ تھا، یہ حضرت

اسماء اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ماں ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی تھی، وہ مسلمان ہوئی یا نہیں اس میں اختلاف ہے، دوسری بیوی ام رومان ہیں، یہ حضرت عائشہ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہما کی ماں ہیں، اور یہ مسلمان ہوگئی تھیں۔

ہجرت کے بعد مسلمان مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے، تو پہنچتے ہی آپس میں جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور مکہ اور مدینہ والوں میں آمدورفت کا سلسلہ بند ہوگیا، حدیبیہ کے موقع پر فریقین میں صلح ہوگئی اور دوبارہ ان کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ مدینہ منورہ اس امید پر آئی کہ میری بیٹی میری کچھ مدد کرے گی، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اس وقت ضرورت مند تھی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تشویش میں پڑ گئیں کہ کیا کروں، ایک طرف تو میری ماں ہیں تو صلہ رحمی کرنا چاہیے، لیکن ساتھ ساتھ ابھی تک مشرکہ ہے؟ آپ نے اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنی تشویش کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ الخ۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ میں سے اگر کوئی غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہیے، اسی طرح جن لوگوں کے ساتھ تمہاری جنگ نہیں ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔

٢٦ - عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما يَقُولُ: رَأَى عُمَرُ رَضِيَ الله عَنهما حُلَّةَ سِيَرَاءَ تُبَاعُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ابْتَعْ هٰذِهِ، فَالْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَإِذَا جَاءَكَ الْوُفُودُ، قَالَ: "إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ"، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ بِحُلَّةٍ، فَقَالَ: كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيهَا مَا قُلْتَ؟ قَالَ: "إِنِّي لَمْ أُعْطِكَهَا لِتَلْبَسَهَا، وَلَكِنْ تَبِيعَهَا أَوْ تَكْسُوَهَا"، فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلَى أَخٍ لَهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ.

ترجمه: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں ایک دھاری دار سفید ریشم کا جوڑا بکتے ہوئے دیکھا، میرے والد نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مشورۃً عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس کو خرید لیجیے اور جمعہ کے دن اور جب آپ کے پاس وفود آئیں اس وقت آپ اس کو زیب تن فرمائیں، اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ لباس تو وہی آدمی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (کچھ مدت بعد) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اسی قسم کے کچھ جوڑے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس جوڑے کو کیسے پہن سکتا ہوں جب کہ آپ نے اس سے پہلے اس کو پہننے سے مجھے منع کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لیے نہیں دیا تھا کہ تم پہنو، بلکہ اس لیے دیا تھا کہ تم بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ، یا کسی اور کو دو جو پہن سکتا ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جوڑے کو اپنے ایک مشرک بھائی پر بھیجا جو مکہ میں رہتے تھے۔

تشریح: نبی ﷺ نے ایک مرتبہ قریش کے خلاف بد دعا کی جس کے نتیجے میں وہ قحط سالی کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے، تو حاجب نامی ایک شخص ملک عرب سے ملک فارس چلا گیا، اور کسریٰ سے وہاں رہنے کی اجازت مانگی، کسریٰ نے کہا کہ تم لوگ تو بہت غدار ہو، حاجب نے کہا کہ میں ضمانت دیتا ہوں کہ کوئی غداری نہیں کروں گا، کسری نے کہا کہ میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں۔ حاجب نے جواب دیا کہ میں تم کو میری کمان بطور رہن دیتا ہوں؛ چنانچہ کسریٰ نے اجازت دیدی اور وہ وہاں کھلی جگہ پر مقیم ہو گیا، جب نبی ﷺ نے قحط دور ہونے کی دعا کی اور قحط دور ہوا اس وقت حاجب کا انتقال ہو گیا تھا، لیکن اس کے بیٹے عطارد نے دوبارہ عربستان آنے کا ارادہ کیا، آنے سے پہلے وہ کسریٰ کے پاس گیا اور اپنے والد کی کمان واپس مانگی، کسریٰ نے کمان واپس دے دی اور اس کو ایک ریشمی جوڑا بھی دیا، عطارد بن حاجب مدینہ منورہ میں اسی جوڑے کو بیچ رہے تھے، اور اسی کو خریدنے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو مشورہ دیا۔

اس وقت تک ریشم کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ یہ بڑا اچھا جوڑا ہے، اگر آپ اس کو اہم اہم موقع پر زیب تن فرمائیں تو اچھا ہوگا۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بھائی تھے جن کا نام عثمان بن حکیم تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ کے رضاعی بھائی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ علاتی بھائی تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ جوڑا بھیجا اس وقت تک وہ مسلمان نہیں تھے، اس لیے ان کے لیے پہننا جائز تھا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی تشریح مروی ہے کہ حضور ﷺ کو تین جوڑے دیئے گئے تھے، ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا جس کا ذکر اوپر گذرا، دوسرا جوڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور چونکہ ان کو بھی ریشم کی حرمت کا علم نہیں تھا اس لیے وہ بھی حضور کی مجلس میں اسے پہن کر آ گئے، جب حضور ﷺ نے دیکھا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں نے یہ ریشم کا کپڑا تمہارے پہننے کے لیے نہیں دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً گھر گئے اور اپنے گھر کی عورتوں میں ریشم کے کپڑے کو تقسیم کر دیا۔

ان تین جوڑوں میں سے تیسرا جوڑا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو دیا تھا۔

مذکورہ حدیث سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

اگر کسی کی طرف سے کوئی چیز ہدیہ میں ایسی ملے جس کا استعمال شرعاً اپنے لیے درست نہ ہو تو دوسرے جائز مصرف میں اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

بعض نوجوانوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ سونا تو ہمارے لیے حرام ہے؟ تو کہتے ہیں کہ سسرال میں سے ملی ہے، میں ان کو کہتا ہوں مرد کے لیے سونا پہننا ممنوع ہے، یہ انگوٹھی اپنی بیوی کو دے دو اس لیے کہ اس کے لیے پہننا جائز ہے، یا ماں، بہن، یا بیٹی کو دو، یا بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہدیے میں ملی ہوئی چیز کو بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بعض لوگ اس کو عار سمجھتے ہیں۔

(۳) اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرنا جائز ہے۔

بَابُ لَا يَسُبُّ وَالِدَيْهِ

۲۷ - عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ يَشْتِمَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ'' فَقَالُوا: كَيْفَ يَشْتِمُ؟ قَالَ: ''يَشْتِمُ الرَّجُلَ، فَيَشْتِمُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ''.

اولاد اپنے ماں باپ کو گالی نہ دیں

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے یہ کبیرہ گناہ ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنے باپ کو گالی کیسے دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے ماں باپ کو کو گالی دے اور وہ اس کے بدلہ میں اس کے باپ اور ماں کو گالی دے (یہ اپنے ہی ماں باپ کو گالی دینا ہوا)۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص آپس میں ایک دوسرے کے والدین کو گالی دیں، یا برا بھلا کہیں تو یہ بھی درحقیقت اپنے ماں باپ ہی کو گالی دینا ہوا، مثلاً زید نے عمر کے والدین کو برا بھلا کہا، اپنے والدین کو نہیں، اس کے مقابلہ میں عمر نے زید کے والدین کو برا بھلا کہا، اپنے والدین کو نہیں، مگر وہ دونوں اپنے والدین کو گالی دینے کا سبب بنے تو گویا ان دونوں نے درحقیقت اپنے والدین ہی کو گالی دی۔

اسی طرح اگر کسی مضبوط آدمی نے کسی کمزور آدمی کی پٹائی کی، اب وہ کمزور آدمی تو اس کی پٹائی کرنے سے رہا، لیکن وہ کمزور آدمی اپنی زبان سے برا بھلا کہہ کر پٹائی کرنے والے سے پٹائی کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا ہے اور پٹائی کرنے والے کے ماں

باپ کو گالی دیتا ہے، تو یہ پٹائی کرنے والا اپنے والدین کو گالی دینے کا ذریعہ بنا، کام دوسرے نے کیا، مگر ذریعہ ہم بنے تو یہ بھی اپنے والدین کو گالی دینے کے مترادف ہے، اور اس کو بھی حضور ﷺ نے بڑے گناہوں میں سے شمار فرمایا ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ہماری طرف سے کوئی ایسی حرکت ہو جس کے نتیجے میں کوئی ہمارے ماں باپ کو گالی دے تو گویا ہم کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے۔

کوئی اپنے ماں باپ کو گالی دے یہ بات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہن میں آ ہی نہیں رہی تھی، اسی لیے سوال کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

لیکن ہمارے زمانہ میں یہ بُعد ختم ہو گیا ہے، اور اب تو بچے سیدھے اپنے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں، ماں باپ کو گالی دینے کا ذریعہ بننا یہ کبیرہ گناہ ہے تو سیدھے ان کو گالی دینا اللہ کی نظر میں کتنا برا کام ہوگا، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں۔

۲۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ سُفْيَانَ يَزْعُمُ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ عِيَاضٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنه يَقُولُ: مِنَ الْكَبَائِرِ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى أَنْ يَسْتَسِبَّ الرَّجُلُ لِوَالِدِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی گناہ کبیرہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی بے عزتی کا سبب بنے۔

بَابُ عُقُوبَةِ عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

۲۹ - حدثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ،

عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجَّلَ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةُ مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهُ، مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ".

ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی سزا

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں جس کے کرنے والے کو اس کی سزا فوری طور پر ملے (یعنی دنیا میں بھی ملے، آخرت میں جو سزا ملنے والی ہے وہ تو الگ)۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ جو شخص بدسلوکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی سزا آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی دیتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھار عبرت کے لیے کسی گناہ کی سزا دنیا میں بھی دیتا ہے، ان گناہوں میں سے ایک گناہ ماں باپ کی نافرمانی اور رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی ہے۔

۳۰ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا تَقُولُونَ فِي الزِّنَا، وَشُرْبِ الْخَمْرِ، وَالسَّرِقَةِ؟" قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "هُنَّ الْفَوَاحِشُ، وَفِيهِنَّ الْعُقُوبَةُ، أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ الشِّرْكُ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ"، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَاحْتَفَزَ قَالَ: "وَالزُّورُ".

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ چوری، زنا اور شراب خوری کرنے کے متعلق کیا کہتے ہو؟ ہم نے عرض کیا

کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ سب گناہ کے کام ہیں اور ان پر اللہ تعالی کے ہاں سزا بھی ملے گی، لیکن کیا تم کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ نہ بتلاؤں؟ وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، حضور ﷺ ٹیک لگا کر کے بیٹھے ہوئے تھے، پھر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جھوٹ بولنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں آپ ﷺ نے تین گناہوں کو کبیرہ بتلایا ہے (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) اور جھوٹ بولنا۔

بعض روایتوں میں جھوٹی قسم کو بھی کبیرہ گناہ بتلایا ہے۔

بَابُ بُكَاءِ الْوَالِدَيْنِ

۳۱ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ مِخْرَاقٍ، عن طَيْسَلَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنه يَقُولُ: بُكَاءُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْعُقُوقِ وَالْكَبَائِرِ.

والدین کا رونا

ترجمہ: حضرت طیلسہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ ماں باپ کا (نافرمان اولاد پر) رونا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

تشریح: اولاد کبھی ایسی کوئی حرکت کرتی ہے جس سے ماں باپ کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس پر روتے ہیں، مثلاً بیٹے کا والدین کے مقابلہ میں بیوی کا زیادہ

خیال کرنا وغیرہ، تو یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔

بَابُ دَعْوَةِ الْوَالِدَيْنِ

٣٢ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَهُنَّ، لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ".

ماں باپ کی دعا کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تین دعائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور قبول ہوتی ہیں، ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے، ایک مظلوم کی دعا، دوسرے مسافر کی دعا اور تیسرے ماں باپ کی بددعا اولاد کے حق میں۔

تشریح: جن کی دعاء فوراً قبول ہوتی ہیں، ان میں سے ایک مظلوم ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تھا اس وقت جو نصیحتیں ان کو فرمائی تھیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ " اِياكَ وَدَعْوَةَ المظلوم فانها ليس بينها وبين الله حجابٌ "مظلوم کی بددعا سے بچنا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان میں کوئی آڑ نہیں، مطلب یہ کہ وہ سیدھی اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتی ہے۔

فارسی کا ایک شعر ہے:

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن

اِجابت از درِحق بہر استِقبال می آید

مظلوموں کی آہ سے بچتے رہنا، اس لیے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے قبولیت اس کا استقبال کرنے کے لیے آتی ہے، یعنی وہ دعا فوراً قبول ہوجاتی ہے۔

دوسرا شخص جس کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے وہ مسافر ہے، اور مسافر کی دعا اس لیے فوراً قبول ہوتی ہے کہ مسافر کو دورانِ سفر عام طور پر طبیعت کے خلاف بہت سارے کام کرنے پڑتے ہیں جس کے نتیجہ میں مزاج میں نرمی، انکساری اور تواضع پیدا ہوجاتی ہے اور یہی کیفیت دعا قبول ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔

تیسرے جن کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے وہ ماں باپ ہیں، اس حدیث میں لفظ علیٰ آیا ہے جس کا مطلب بددعا ہے، یعنی جب وہ اپنی اولاد کے خلاف بددعا کریں تو وہ بہت جلدی قبول ہوتی ہے، ماں باپ اپنی اولاد کے حق میں ہمیشہ خیر خواہ ہوتے ہیں اور ہمیشہ اولاد کی بھلائی اور خیر ہی کی دعا کرتے ہیں، اور وہ بددعا اسی وقت کرتے ہیں جب اولاد اپنے والدین کو ستانے میں حد کردیتی ہیں، اور ایسی تکلیف پہنچاتی ہے کہ ان کے دل سے نہ چاہنے کے باوجود کچھ بددعائیہ جملے نکل جاتے ہیں وہ جملے اللہ تعالیٰ کے یہاں فوراً قبول ہوجاتے ہیں۔

حدیث شریف کا خلاصہ: بے سہارا شخص پر کوئی ظلم کرتا ہے، اس وقت وہ جو دعا کرتا ہے اس کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔

٣٣ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ مُحَمَّدِ

بْنِ شُرَحْبِيلَ، أَخِي بَنِي عَبْدِ الدَّارِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا تَكَلَّمَ مَوْلُودٌ مِنَ النَّاسِ فِي مَهْدٍ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ"، قِيلَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ، وَمَا صَاحِبُ جُرَيْجٍ؟ قَالَ: فَإِنَّ جُرَيْجًا كَانَ رَجُلًا رَاهِبًا فِي صَوْمَعَةٍ لَهُ، وَكَانَ رَاعِيَ بَقَرٍ يَأْوِي إِلَى أَسْفَلِ صَوْمَعَتِهِ، وَكَانَتِ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ تَخْتَلِفُ إِلَى الرَّاعِي، فَأَتَتْ أُمُّهُ يَوْمًا فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ، وَهُوَ يُصَلِّي، فَقَالَ فِي نَفْسِهِ وَهُوَ يُصَلِّي: أُمِّي وَصَلَاتِي؟ فَرَأَى أَنْ يُؤْثِرَ صَلَاتَهُ، ثُمَّ صَرَخَتْ بِهِ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ فِي نَفْسِهِ: أُمِّي وَصَلَاتِي؟ فَرَأَى أَنْ يُؤْثِرَ صَلَاتَهُ، ثُمَّ صَرَخَتْ بِهِ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: أُمِّي وَصَلَاتِي؟ فَرَأَى أَنْ يُؤْثِرَ صَلَاتَهُ، فَلَمَّا لَمْ يُجِبْهَا قَالَتْ: لَا أَمَاتَكَ اللّٰه يَا جُرَيْجُ حَتَّى تَنْظُرَ فِي وَجْهِ الْمُومِسَاتِ، ثُمَّ انْصَرَفَتْ. فَأُتِيَ الْمَلِكُ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ وَلَدَتْ، فَقَالَ: مِمَّنْ؟ قَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَصَاحِبُ الصَّوْمَعَةِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: اهْدِمُوا صَوْمَعَتَهُ، وَأْتُونِي بِهِ، فَضَرَبُوا صَوْمَعَتَهُ بِالْفُئُوسِ حَتَّى وَقَعَتْ. فَجَعَلُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ بِحَبْلٍ، ثُمَّ انْطُلِقَ بِهِ، فَمَرَّ بِهِ عَلَى الْمُومِسَاتِ، فَرَآهُنَّ فَتَبَسَّمَ، وَهُنَّ يَنْظُرْنَ إِلَيْهِ فِي النَّاسِ، فَقَالَ الْمَلِكُ: مَا تَزْعُمُ هَذِهِ؟ قَالَ: مَا تَزْعُمُ؟ قَالَ: تَزْعُمُ أَنَّ وَلَدَهَا مِنْكَ، قَالَ: أَنْتِ تَزْعُمِينَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: أَيْنَ هَذَا الصَّغِيرُ؟ قَالُوا: هَذا هُوَ فِي حِجْرِهَا، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَنْ أَبُوكَ؟ قَالَ: رَاعِي الْبَقَرِ. قَالَ الْمَلِكُ: أَنَجْعَلُ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: مِنْ فِضَّةٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَا نَجْعَلُهَا؟ قَالَ: رُدُّوهَا كَمَا كَانَتْ، قَالَ: فَمَا الَّذِي تَبَسَّمْتَ؟ قَالَ: أَمْرًا عَرَفْتُهُ، أَدْرَكَتْنِي دَعْوَةُ أُمِّي، ثُمَّ أَخْبَرَهُمْ .

جریج کا قصہ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: کسی بچے نے گہوارے میں (یعنی دودھ پینے کے زمانہ میں) بات نہیں کی سوائے حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام اور صاحبِ جریج کے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ صاحب جریج کون ہیں؟ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جریج ایک عبادت گزار آدمی تھے، جو اپنے صومعہ میں عبادت میں مشغول رہتا تھے) صومعہ اونچے اور پتلے منارے والی عمارت کو کہا جاتا تھا جس میں راہب رہتا ہے، راہب اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر اپنی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ عیسائیوں میں الگ تھلک ہوکر عبادت کرنے کا سلسلہ حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں جاری ہوا (ایک چرواہا ان کی گرجا کے نیچے آکر کے ٹھہرا کرتا تھا (اپنے جانور چراتا تھا) اور بستی کی ایک عورت اس چرواہے کے پاس آتی جاتی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ ہوا یہ کہ جریج (راہب) نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں ان کے پاس آئیں کسی کام کے واسطے اور صومعہ کے باہر سے ماں نے ان کو پکارا اے جریج! (جریج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے) دورانِ نماز سوچا کہ ایک طرف میری ماں ہیں، اور دوسری طرف نماز ہے۔ بالآخر جریج نے فیصلہ کیا کہ اپنی نماز کو ترجیح دے۔

ماں نے پھر دوسری مرتبہ آواز دی، وہ پھر سوچ میں پڑ گئے، ایک طرف میری ماں ہیں اور دوسری طرف نماز ہے، پھر یہی فیصلہ کیا کہ میں اپنی نماز نہیں توڑونگا۔ ماں نے پھر تیسری مرتبہ پکارا، وہ پھر سوچ میں پڑ گئے، ایک طرف میری ماں ہیں اور دوسری طرف نماز ہے، پھر یہی فیصلہ کیا کہ میں اپنی نماز نہیں توڑونگا۔ جب تیسری مرتبہ بھی ماں کو جواب نہیں ملا تو ماں کی زبان سے بددعا نکل گئی کہ اے جریج! اللہ تعالیٰ تجھے موت نہ دے یہاں تک کہ تو بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے، یہ کہہ کر ماں وہاں سے چلی آئی۔

کچھ مدت بعد اس عورت کو بچہ ہوا، اور وہ بادشاہ کے پاس لائی گئی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ بچہ کس کا ہے؟ اس نے کہا کہ جریج کا ہے، بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ وہ جو گرجا میں عبادت میں مشغول رہتا ہے؟ کہا، ہاں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گرجا کوڈھادو، اور اس کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ! لوگوں نے پھاوڑے سے ان کے صومعہ کوڈھادیا۔ اور رسی سے جریج کے ہاتھ کو گردن سے باندھ دیا، پھر اس کو بادشاہ کے پاس لے جانے لگے۔ راستہ میں چند بدکار عورتیں ایک جگہ کھڑی تھیں ان کو دیکھ کر جریج مسکرائے، اور عورتیں جریج کو دیکھ رہی تھیں اور وہاں لوگوں کا مجمع بھی تھا۔ جب جریج بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے جریج سے پوچھا کہ تجھے معلوم ہے یہ عورت کیا کہہ رہی ہے؟ جریج نے فرمایا کہ آپ ہی بتادیں یہ کیا کہہ رہی ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ یہ دعوی کر رہی ہے کہ یہ بچہ تیرا ہے۔ جریج اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ یہ بچہ میرا ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ جریج نے پھر پوچھا کہ وہ بچہ کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ رہا اس کی گود میں، جریج اس بچے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے پوچھا تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا کہ میرا باپ چرواہا ہے۔ بادشاہ نے جریج سے پوچھا (جب بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ جریج بے قصور ہیں) کہ کیا ہم آپ کی عبادت گاہ کو دوبارہ سونے سے بنادیں؟ انہوں نے کہا، نہیں، تو پھر بادشاہ نے پوچھا کہ کیا ہم چاندی سے بنادیں؟ کہا، نہیں، بادشاہ نے پوچھا کہ پھر کس چیز سے بنائیں؟ کہا کہ پہلے جیسی عبادت گاہ تھی ویسی ہی بنادو۔ بادشاہ نے پوچھا کہ جب آپ نے راستے میں چند بدکار زانیہ عورتوں کو دیکھا تھا تو ان کو دیکھ کر کیوں ہنسے تھے؟ کہا کہ ایک بات کی طرف میرا ذہن گیا کہ میری ماں کی بددعا مجھے لگی، پھر انہوں نے یہ سارا قصہ ان کو سنایا۔

دودھ پیتے بچوں کے بات کرنے اور بولنے کے پانچ واقعات

تشریح: مذکورہ حدیث شریف میں دودھ پینے کے زمانے میں دو بچوں کے بات کرنے کا ذکر کیا ہے، ایک تو حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام ہیں جن کا واقعہ

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام آپ کو اپنی گود میں لے کر اپنی قوم کے پاس پہنچیں تو قوم ان پر ٹوٹ پڑی کہ یہ بچہ کہاں سے آیا؟ حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بچے ہی سے پوچھ لو کہ میں بچہ کہاں سے لائی ہوں، قوم نے کہا کہ یہ بچہ تو ابھی گہوارے میں ہے، یہ کیسے بولے گا؟ اللہ تعالی نے آپ کو گویائی عطا فرمائی، آپ گویا ہوئے اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، میری ماں نے نعوذ باللہ من ذلک کوئی برا کام نہیں کیا۔

دوسرا بچہ جس نے دودھ پینے کے زمانے میں بات کی وہ جریج راہب کے قصے والا بچہ ہے، جریج ایک راہب تھے جو اپنے صومعہ میں رہتے تھے، ایک دن جریج کی ماں جریج کے پاس کسی ضرورت سے آئی، ماں نے صومعہ کے باہر سے پکارا، جریج نے ماں کی آواز سنی تو سوچا کہ اگر ماں کی پکار کا جواب دوں تو نماز ٹوٹے گی، اور اگر نماز جاری رکھوں تو ماں کی نافرمانی ہوگی، بالآخر فیصلہ یہ کیا کہ نماز جاری رکھنا ہے، ماں نے تین مرتبہ پکارا، تینوں مرتبہ یہی فیصلہ کیا کہ نماز جاری رکھنا ہے۔ تینوں مرتبہ ماں کو جواب نہیں ملا تو ماں کے دل کو ایک ٹھیس لگی اور ماں کی زبان حرکت میں آئی، اور یہ جملے نکلے کہ تیری موت نہ آئے یہاں تک کہ تو کسی بدکار عورت کا منھ نہ دیکھ لے۔

ایک عرصہ کے بعد ایک بدکار عورت کو بچہ پیدا ہوا، اس کا کوئی شوہر نہیں تھا اس لیے لوگ اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے، اور اس نے بادشاہ کے سامنے اقرار کیا کہ یہ بچہ جریج کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، جریج کو جب بلایا گیا اور کہا کہ یہ عورت کہہ رہی ہے کہ یہ بچہ تمہارا ہے؟ جریج نے کہا کہ اس بچے کو میرے پاس لاؤ، دوسری

روایتوں میں ہے کہ جب بچے کو لایا گیا تو جریج نے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کے بعد اس بچے کی طرف متوجہ ہوئے کہ بتا تیرا باپ کون ہے؟ پوچھتے ہی بچہ گویا ہوا، اللہ تعالیٰ نے گہوارے میں اس کو بولنے کی طاقت دی، اس نے کہا کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔

اس واقعہ میں جریج نے ماں کی نافرمانی قصداً نہیں کی تھی، بلکہ اجتہادی غلطی ہوئی تھی، اس پر ان کو ایک بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ تو جو لوگ ماں باپ کے معاملے میں قصداً زیادتیاں کرتے ہیں اور رات دن ماں باپ کے دل کو دکھاتے رہتے ہیں ان کو سوچ لینا چاہیے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔

سنن بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے اللہ تعالی کی رضا کی خاطر اپنے ماں باپ کی اطاعت کی تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اگر ماں باپ کو تکلیف پہنچائی اور ان کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اگر والدین میں سے کوئی ایک موجود ہے اور ان کی اطاعت کی تو جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور نافرمانی کی تو جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، تو کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! جب ماں باپ کی طرف سے زیادتی ہو تب بھی یہ وعید ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: وَاِنْ ظَلَمَا، چاہے ماں باپ کی طرف سے زیادتی ہو، تب بھی اس وعید کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ: دورانِ نماز اگر والدین میں سے کوئی اپنی اولاد کو پکارے تو کب نماز توڑنی ہے اور کب نہیں توڑنی ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

اگر فرض نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں ہیں تو اسی وقت نماز توڑ کر ان کی مدد کو پہنچنا ضروری ہے۔

اگر فرض نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں نہیں ہیں تو ان کی پکار کا جواب نہ دے، چاہے ان کو معلوم ہو کہ وہ نماز میں ہے یا معلوم نہ ہو۔

اگر نفل نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں ہیں تو اسی وقت نماز توڑ کر ان کی مدد کو پہنچنا ضروری ہے۔

اور اگر نفل نماز ہو اور ان کے پکارنے سے یہ احساس ہو کہ وہ کسی شدید تکلیف میں نہیں ہے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ ان کو نماز میں ہونے کا علم ہے یا نہیں، اگر ان کو نماز میں ہونے کا علم نہیں ہے تو اسی وقت نماز توڑ کر ان کی پکار کا جواب دے، اور اگر ان کو نماز میں ہونے کا علم ہے پھر بھی پکارا تو اب ان کی پکار کا جواب نہ دے، اس لیے کہ انہوں نے علم ہونے کے باوجود پکارا تو گویا انہوں نے اللہ تعالی کے حکم کی نافرمانی کی، اب پکار کا جواب نہ دے اور نماز جاری رکھے۔

مذکورہ روایت میں دو بچوں کا ذکر ہے، البتہ دوسری روایتوں میں پانچ بچوں کا ذکر ہے جنہوں نے دودھ پینے کے زمانے میں بات کی۔

ایک بچے کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں آتا ہے، عزیز مصر کی بیوی جن کا نام زلیخا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی تھی، اور اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے آپ کو پھسلانے لگی، گھر کے سارے دروازے بند کر دیے اور آپ سے کہنے لگی کہ جلدی آجاؤ (یعنی مجھ سے غلط تعلق قائم کرو) جب حضرت یوسف

علیہ السلام نے دیکھا کہ ہر طرف سے گھرا ہوا ہوں اور بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے، تو سب سے پہلے خدا کی پناہ مانگی، اور پھر دروازے کی طرف دوڑے، زلیخا آپ کو پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی اور پیچھے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ پکڑ کر آپ کو باہر جانے سے روکنا چاہا، لیکن آپ نہیں رکے اور آپ دروازے سے باہر آ گئے جس کی وجہ سے کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا۔

جب دونوں باہر پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ عزیز مصر یعنی زلیخا کا شوہر وہاں سامنے کھڑا ہے، زلیخا نے اپنی عزت بچانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگا دی کہ اسی نے میرے ساتھ برا ارادہ کیا، یوسف علیہ السلام نے تردید فرمائی اور حقیقت کا اظہار کیا کہ زلیخا ہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنا چاہتی تھی۔

گھر کے اندر ایک چھوٹا بچہ گہوارے میں پڑا تھا، اللہ تعالی نے اس کو گویائی عطا فرمائی اور وہ گویا ہوا کہ ان کا کرتہ دیکھو کہ کہاں سے پھٹا ہے؟ اگر آگے سے پھٹا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا سچی ہے یوسف علیہ السلام جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف علیہ السلام سچے ہیں زلیخا جھوٹی ہے۔

تیسرا بچہ جس نے گہوارے میں بات کی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون کے خزانچی کی بیوی مسلمان تھی، وہ فرعون کی بیٹی کے بال میں کنگھی کرتی تھی، ایک دن جب وہ کنگھی کر رہی تھی تو اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی۔ اس عورت نے بسم اللہ کہتے ہوئے کنگھی اٹھائی، فرعون کی بیٹی چونک اٹھی کہ کیا میرے باپ کے علاوہ کوئی اور معبود ہے!؟ اس نے کہا کہ میرا بھی اور تیرے باپ کا بھی اور ہر چیز کا ایک رب ہے، فرعون کی بیٹی کو غصہ آ گیا اور اس نے اس کو ایک طمانچہ رسید کیا اور فرعون کو سارا واقعہ

بتلا دیا، فرعون نے اس کو بلایا اور بہت غصہ سے پوچھا کہ کیا تو میرے سوا کسی اور کو خدا مانتی ہے؟ کہا: جی ہاں، میرا بھی اور تیرا بھی اور ہر چیز کا رب اللہ ہی ہے، اور اسی کی میں عبادت کرتی ہوں، فرعون نے اس پر ظلم وستم برسانا شروع کیا، اس نے کچھ میخیں زمین میں گاڑ دیں، اور اس عورت کے ہاتھ اور پاؤں ان میخوں کے ساتھ باندھ دیے اور اس پر سانپ چھوڑ دیے، روزانہ اسی طرح اس کو ستاتا اور سزا دیتا؛ بالآخر جب اس نے دیکھا کہ وہ عورت اس سزا سے بھی ایمان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس نے دوسری دھمکی دی کہ اگر تو مجھے خدا نہیں مانے گی تو میں تیرے بیٹے کو تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کردوں گا، اس نے کہا کہ جو بھی تجھ سے ہوسکے کر گزر، فرعون ایک ایک کرکے اس کے بچوں کو ذبح کرنے لگا، بعض روایتوں میں ہے کہ آگ میں ڈالنے لگا، بہرحال ایک ایک کرکے ان معصوم بچوں کو قتل کر رہا تھا کہ اس عورت کا ایک دودھ پیتا بچہ گویا ہوا، اے امی! جم کر رہنا، اس لیے کہ آپ حق پر ہیں، اس بچے کی بات سن کر فرعون کی بیوی آسیہ کو بھی یقین آگیا کہ فرعون جھوٹا ہے اور اس نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

چوتھا بچہ جس نے گہوارے میں بات کی وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ وہاں سے ایک بہت ہی حسین وجمیل شخص کا بہت شان سے ایک سواری پر گزر ہوا، اس کو دیکھ کر وہ عورت کہنے لگی کہ اللہ! میرے بیٹے کو ایسا ہی بنانا، وہ بچہ دودھ پی رہا تھا، جب ماں کی دعا سنی تو فوراً اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس سوار کو دیکھنے لگا، پھر کہا اے اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا، یہ کہہ کر دوبارہ دودھ پینے لگا، پھر وہیں سے ایک باندی کا گزر ہوا، عورت نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو

ایسا نہ بنانا، تو بچے نے پھر دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس باندی کو دیکھنے لگا اور پھر کہا اے اللہ! مجھے اس باندی جیسا بنانا، عورت نے پوچھا کیوں؟ بچے نے جواب دیا کہ یہ سوار تو بہت متکبر اور ظالم ہے، اور اس باندی کے بارے میں لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس نے زنا بھی کیا اور چوری بھی کی، حالانکہ اس نے کوئی بھی جرم نہیں کیا۔

پانچواں بچہ جس نے گہوارے میں بات کی وہ یہ ہے کہ ایک کافر بادشاہ تھا جس کے پاس ایک کاہن تھا، کاہن نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ کو ایک ہوشیار لڑکا دیا جاوے تو میں اس کو اپنا علم سکھادوں، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اس کے راستے میں ایک راہب یعنی عیسائی پادری رہتا تھا اور اس زمانہ میں دین عیسی علیہ السلام ہی دینِ حق تھا اور یہ راہب اسی پر قائم تھا، وہ لڑکا اس کے پاس آنے جانے لگا اور خفیہ مسلمان ہوگیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ کسی شیر نے راستہ روک رکھا ہے اور خلق خدا پریشان ہے تو اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جاوے اور اگر کاہن سچا ہے تو نہ مارا جاوے اور یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو شیر کو لگا اور وہ ہلاک ہوگیا، لوگوں میں شور ہوگیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے، کسی اندھے نے سنا تو آکر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی ہوجاویں، لڑکے نے کہا بشرطیکہ تو مسلمان ہوجاوے، چنانچہ اس نے قبول کیا، لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہوگیا اور مسلمان ہوگیا۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو اس راہب کو، لڑکے کو اور اس نابینا تینوں کو گرفتار کر کے بلایا، اس نے راہب اور نابینا کو قتل کردیا اور لڑکے کے لیے حکم دیا کہ پہاڑ کے اوپر لیجا کر گرادیا جاوے، مگر جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ خود گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے

سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ سب ڈوب گئے، پھر خود لڑکے نے بادشاہ سے کہا مجھ کو بسم اللہ کہہ کر تیر مارو تو میں مر جاؤں گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا مر گیا۔ پس اس واقعہ عجیبہ کو دیکھ کر یک لخت حاضرین کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس ظالم بادشاہ نے ایمان لانے والوں کو عذاب دینے کے لیے خندق کھدوا کر اس کو آگ کے بڑے شعلوں سے لبریز کیا پھر ایمان لانے والوں میں سے ایک ایک کو حاضر کر کے کہا کہ یا ایمان کو چھوڑ دو یا پھر اس خندق میں گر جانا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور انہوں نے آگ میں گر جانا قبول کیا، صرف ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا اس کو آگ میں گرنے سے ذرا جھجک محسوس ہوئی تو اس کا چھوٹا سا بچہ بولا کہ امی جان! صبر کرو کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

بَابُ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَى الْأُمِّ النَّصْرَانِيَّةِ

٣٤ - قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو كَثِيرٍ السُّحَيْمِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ: مَا سَمِعَ بِي أَحَدٌ، يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ، إِلَّا أَحَبَّنِي، إِنَّ أُمِّي كُنْتُ أُرِيدُهَا عَلَى الْإِسْلَامِ فَتَأْبَى، فَقُلْتُ لَهَا، فَأَبَتْ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: ادْعُ اللهَ لَهَا، فَدَعَا، فَأَتَيْتُهَا - وَقَدْ أَجَافَتْ عَلَيْهَا الْبَابَ فَقَالَتْ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، إِنِّي أَسْلَمْتُ، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: ادْعُ اللهَ لِي وَلِأُمِّي، فَقَالَ: "اللَّهُمَّ، عَبْدُكَ أَبُو هُرَيْرَةَ

وَأُمُّهُ، أَحِبَّهُمَا إِلَى النَّاسِ".

نصرانی ماں کے سامنے اسلام پیش کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بھی میرے بارے میں سنے گا چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، وہ مجھ سے محبت کرے گا (اس کی وجہ یہ ہے کہ) میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا اور وہ قبول نہیں کرتی تھی۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں کے لیے دعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے، حضور ﷺ نے دعا فرمائی، حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کر کے اپنی ماں کی خدمت میں پہنچا، تو دیکھا کہ گھر کا دروازہ بند تھا، (میری والدہ نے میرے آنے کو محسوس کیا تو اندر سے) کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، میں دوبارہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور اپنی ماں کے اسلام کے بارے میں آپ ﷺ کو اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ میرے لیے اور میری ماں کے لیے دعا فرما دیجیے۔ تو حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! آپ کا بندہ ابو ہریرہ اور اس کی ماں دونوں کو لوگوں کی نگاہوں میں محبوب بنا دے، لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دے۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان نہیں ہے تو محبت کے انداز میں ان کو اسلام کی طرف دعوت دینا چاہیے، اگر مسلمان تو ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی میں مبتلا ہیں تب بھی ان کو محبت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکنا چاہیے۔ ماں باپ کو اسلام کی دعوت دینا یا ان کو بھلائی کی طرف بلانا ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کے خلاف نہیں ہے۔

اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا مذہب کیا تھا، لیکن باب میں امام بخاریؒ نے الأم النصرانية کے ذکر سے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ان کی ماں نصرانی تھیں۔

بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا

٣٥ - قالَ: أَخْبَرَنِي أُسَيْدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أُسَيْدٍ رضي الله عنه يُحَدِّثُ الْقَوْمَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ أَبَوَيَّ شَيْءٌ بَعْدَ مَوْتِهِمَا أَبَرُّهُمَا؟ قَالَ: "نَعَمْ، خِصَالٌ أَرْبَعٌ: الدُّعَاءُ لَهُمَا، وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا رَحِمَ لَكَ إِلَّا مِنْ قِبَلِهِمَا".

ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے کہ ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ کوئی بھلائی باقی رہ گئی ہے جو میں ان کے ساتھ کرسکوں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! (ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی) چار حقوق باقی رہتے ہیں۔ نمبر ایک ان کے حق میں دعا کرنا، نمبر دو ان کے لیے استغفار کرنا، نمبر تین ان کا کیا ہوا وعدہ پورا کرنا، نمبر چار ان کے دوستوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنا۔

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جو آدمی حاضر ہوا وہ قبیلۂ بنو سلمہ سے تعلق رکھتا تھا (ابوداؤد) اس نے جو سوال کیا کہ والدین کے انتقال کے بعد ان کا کوئی حق باقی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ماں باپ کے ساتھ جتنا حسن سلوک ہوسکا وہ تو کیا، مثلاً ان کی خدمت کرنا، ان کو راحت پہنچانا وغیرہ وغیرہ، کیا ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی کوئی حق میرے ذمہ باقی رہتا ہے؟ اس کے جواب میں مذکورہ ارشاد فرمایا۔

اولاد پر والدین کے انتقال کے بعد چار حقوق

والدین کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے اولاد پر والدین کے چند حقوق کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک ان کے لیے دعا کرنا۔

دوسرا حق والدین کے لیے استغفار کرنا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کرنا الگ چیز ہے اور استغفار الگ چیز ہے، استغفار کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ اللہ! ان کے گناہوں سے درگزر فرما اور دعا کا مطلب عام ہے، یعنی ان کے لیے کوئی بھی خیر اور بھلائی مانگنا، خواہ رفع درجات ہو، خواہ جنت الفردوس ہو۔

تیسرا حق یہ ہے کہ اگر والدین نے اپنی زندگی میں کسی کے ساتھ کوئی عہد و پیمان کیا تھا اور اس کو پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی تو ان کے انتقال کے بعد ان کے کیے ہوئے عہد و پیمان کو کو پورا کرے۔

چوتھا حق یہ ہے کہ ماں باپ سے ملنے والے اور ماں باپ کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، خواہ اس رشتہ داری کے لیے باپ سبب بنا ہو یا ماں، مثلاً دادا یعنی باپ کا باپ، دادی یعنی باپ کی ماں، چچا یعنی باپ کا بھائی، پھوپھی یعنی باپ کی بہن، ان سب کے لیے باپ واسطہ بنا۔ بھائی بہن باپ کی اولاد ہیں، تو ان کے لیے بھی باپ واسطہ بنا۔

دوسری طرف نانی یعنی ماں کی ماں، اسی طرح خالہ ماموں وغیرہ کے لیے ماں واسطہ بنی، گویا ان سارے رشتوں کا سبب ماں باپ بنے۔ لہٰذا ان رشتوں کا حق ادا کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ حقیقت میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

کرنا ہے، بہت سارے گھروں میں بھائی بہن چچا، ماموں، پھوپھی وغیرہ کے ساتھ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، حالانکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ بھی ماں باپ کے حقوق میں سے ہے۔

٣٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: تُرْفَعُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ دَرَجَتُهُ. فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ، أَيُّ شَيْءٍ هَذِهِ؟ فَيُقَالُ: وَلَدُكَ اسْتَغْفَرَ لَكَ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میت کے انتقال کے بعد اس کے درجات بلند کیے جاتے ہیں تو میت اللہ تعالی سے پوچھتی ہے کہ اے اللہ! یہ کیا ہے؟ اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کیا (یہ اس کا بدلہ ہے)۔

تشریح: یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہیں لیا کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا، لیکن چونکہ یہ چیز ایسی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر ہی بیان کی جاسکتی ہے اس لیے اس حدیث کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے ہی سے ذکر کیا جاتا ہے۔

انتقال کے بعد میت کوئی عمل نہیں کرسکتا، اس لیے جب اس کا درجہ بلند کیا جائے گا تو اسے تعجب ہوگا کہ اتنا سارا اجر کہاں سے آ گیا؟

اولاد کا مغفرت کی دعا کرنا یہ ماں باپ کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ اولاد پر ضروری ہے کہ والدین کے انتقال کے بعد بھی صدقہ، خیرات اور نیک اعمال کے ذریعہ سے ان کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کرتی رہے۔

٣٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ، عَنْ غَالِبٍ

قَالَ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَيْلَةً، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي هُرَيْرَةَ، وَلِأُمِّي، وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُمَا قَالَ لِي مُحَمَّدٌ: فَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتَّى نَدْخُلَ فِي دَعْوَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھے، تو حضرت ابوہریرہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! ابوہریرہ کی مغفرت فرما اور ابوہریرہ کی ماں کی بھی مغفرت فرما اور اس شخص کی بھی مغفرت فرما جو ان دونوں کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ محمد ابن سیرین رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں تاکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا میں ہمارا حصہ لگ جائے۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف کے راوی محمد بن سیرین رحمہ اللہ ہیں، آپ کا شمار بڑے تابعین میں ہوتا ہے، آپ خواب کی تعبیر کے امام سمجھے جاتے ہیں۔

اس روایت کو یہاں ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کا اہتمام کرتے تھے۔

٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی انسان دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے؛ البتہ

تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب انسان کو ملتا رہتا ہے، ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور تیسرے نیک اولاد جو ماں باپ کے حق میں دعائیں کرتی رہتی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر کیا جس کا ثواب موت کے بعد بھی چلتا رہتا ہے۔ پہلا صدقۂ جاریہ ہے۔ اس سے مراد وہ نیکی ہے جس کا فائدہ لوگوں کو اس کی موت کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے، مثلاً کہیں مسجد بنا دی جس میں لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کہیں مدرسہ بنا دیا جہاں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، کہیں مسافر خانہ بنوا دیا جس میں لوگ ٹھہرتے ہیں، کہیں کنواں کھدوا دیا جس سے لوگ سیراب ہو رہے ہیں، کہیں سڑک بنوادی جس پر لوگ چلتے ہیں۔ اسی طرح کوئی بھی ایسا کام جس کا نفع اس کے دنیا سے جانے کے بعد لوگوں کو پہنچتا رہتا ہے۔

دوسری بات جس کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے وہ علم ہے، مثلاً کسی کو قرآن سکھا دیا، اب وہ دوسروں کو سکھا رہا ہے، اور ان سے دوسرے لوگ سیکھ رہے ہیں، اسی طرح سلسلہ چل رہا ہے، اسی طرح کسی کو نماز سکھائی، وہ خود بھی پڑھ رہا ہے اور دوسروں کو بھی سکھا رہا ہے، تو اس کا ثواب بھی ان کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے اور نماز پڑھنے کی وجہ سے ملتا رہے گا۔

تیسری بات جس کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے وہ ہے نیک اولاد جب کہ وہ ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائے خیر کرتی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اولاد کا صالح ہونا ہی ماں باپ کو نفع پہنچنے کے لیے کافی ہے، چاہے اولاد دعا کریں یا نہ کریں۔ یعنی جس طرح اگر کسی نے کنواں کھدوا دیا، اس کنویں سے لوگ سیراب ہو رہے ہیں، میت کو اس کنویں کو کھودنے کا ثواب ملتا رہے گا چاہے

لوگ کنویں سے فائدہ اٹھانے کے بعد دعا کریں یا نہ کریں۔ اسی طرح کسی کو قرآن پڑھا دیا اور وہ اس پر عمل کر رہا ہے اور دوسروں کو پڑھا رہا ہے تو میت کو اس کا ثواب ملے گا، چاہے وہ الگ سے دعا کرے یا نہ کرے۔ اسی طریقہ سے اولاد اگر صالح ہو، ماں باپ نے ان کو نیک بنانے کی محنت کی اور نیک بنایا تو اس کا فائدہ ماں باپ کو پہنچتا رہے گا، اولاد دعا کرے یا نہ کرے۔

لیکن یہاں حضور اکرم ﷺ نے اولاد کو ترغیب دی کہ تمہاری نیکی اور صلاح کا تقاضا یہ ہے کہ تم والدین کے لیے مستقل دعا بھی کرو، اگر تم دعا نہ کرو گے تب بھی ان کو تو فائدہ پہنچنے والا ہے ہی، لیکن تم دعا کرو گے تو تمہاری سعادت مندی ہوگی اور ماں باپ کو فائدہ پہنچنے کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی اس کا نفع ہوگا۔

٣٩ - حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ، إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَلَمْ تُوصِ، أَفَيَنْفَعُهَا أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا؟ قَالَ: "نَعَمْ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ کوئی وصیت کر کے نہیں گئی ہیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو فائدہ پہنچے گا؟ تو فرمایا جی پہنچے گا۔

تشریح: اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد بھی صدقہ اور نیک کام کر کے ثواب پہنچانے کا اہتمام کرے، چاہے انہوں نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر ماں باپ کے ذمہ حج اور کچھ قضا نمازیں تھیں جن کی

وصیت نہیں کی تھی، تو اولاد پر حج کی ادائیگی کا خرچ اور قضا نمازوں کا فدیہ ضروری نہیں ہے، لیکن اولاد کی سعادت مندی کی بات ہے کہ وہ ماں باپ کی قضا نمازیں، یا روزوں کے فدیہ کی ادائیگی کا اہتمام اپنے مال میں سے کرے۔ اگر ماں باپ نے حج کی وصیت کی تھی تو پھر ورثاء کے لیے ضروری ہے کہ والدین کے تہائی مال میں سے ان کی طرف سے حج کرائے، لیکن اگر ماں باپ نے وصیت نہیں کی تو اب اولاد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ان کی طرف سے حج کرائے، لیکن اولاد کی سعادت مندی کی بات ہے کہ ان کی طرف سے حج اپنے مال سے خود کرے یا کسی سے کرائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ قبول بھی کرے گا۔

بَابُ بِرِّ مِنْ كَانَ يَصِلُهُ أَبُوهُ

٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه: مَرَّ أَعْرَابِيٌّ فِي سَفَرٍ، فَكَانَ أَبُو الْأَعْرَابِيِّ صَدِيقًا لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ: أَلَسْتَ ابْنَ فُلَانٍ؟ قَالَ: بَلَى، فَأَمَرَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ بِحِمَارٍ كَانَ يَسْتَعْقِبُ، وَنَزَعَ عِمَامَتَهُ عَنْ رَأْسِهِ فَأَعْطَاهُ. فَقَالَ بَعْضُ مَنْ مَعَهُ: أَمَا يَكْفِيهِ دِرْهَمَانِ؟ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”احْفَظْ وُدَّ أَبِيكَ، لَا تَقْطَعْهُ فَيُطْفِئَ اللهُ نُورَكَ“.

ماں باپ کے تعلق والوں سے محبت کرنا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا

ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی کسی سفر میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گذرا، اس دیہاتی کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوست تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس دیہاتی سے پوچھا کہ کیا تم فلاں کے بیٹے نہیں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ کیوں نہیں، تو آپ نے اس دیہاتی کو وہ گدھا عطا کیا جو آپ کے ساتھ سفر میں رہتا تھا، اور سر سے عمامہ اتارا اور وہ بھی ہدیہ میں دے دیا، آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا کہ دو درہم دے دیتے، وہ بھی اس کے لیے بہت تھا، آپ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ تعلق کو باقی رکھو، اسے توڑ مت ورنہ اللہ تعالی تمہارا نور بجھا دے گا۔

تشریح: ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ ماں باپ جن سے محبت کرتے تھے ان کے ساتھ بھلائی، احسان، محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں اونٹ کے ساتھ ایک گدھا بھی ساتھ میں رکھتے تھے کہ اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو طبیعت میں نشاط پیدا کرنے کے لیے گدھے پر سوار ہو جاتے۔

اس حدیث میں بھی والدین کے اہل تعلق سے حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے، اور تعلق نہ رکھنے پر بڑی وعید بھی آئی ہے۔ یوں مت سمجھو کہ باپ کے اہل تعلق کے ساتھ محبت کو باقی رکھیں گے تو فائدہ ہوگا، اور تعلق نہیں رکھیں گے کوئی نقصان نہیں ہوگا، بلکہ اگر نہیں رکھیں گے تو یہ وعید جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنائی اس کا مستحق ہو جائے گا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالی تمہارا نور بجھا دے گا اس سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قلب کے اندر ایمان کا جو نور ہے اس کو ختم کر دے گا۔ بعض شراح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نور ہے

جو آخرت میں مؤمن کو عطا ہوگا، یعنی قیامت میں اس کا نور بجھا دیا جائے گا۔

اسی باب میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا واقعہ آ رہا ہے کہ توریت میں بھی ماں باپ کے اہل تعلق سے محبت رکھنے کی تاکید آئی ہے۔ اس لیے اس کا بڑا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد باپ کے اہل تعلق کے ساتھ محبت کا جو سلوک کرنا چاہیے وہ نہیں کیا جاتا، اس کا بڑا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ آدمی بہت سی خوبیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

٤١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عُثْمَانَ الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

تشریح: ماں باپ کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے

بَابُ لَا تَقْطَعْ مَنْ كَانَ يَصِلُ أَبَاكَ فَيُطْفَأَ نُورُكَ

٤٢ - اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ لَاحِقٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ الزُّرَقِيُّ، أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا فِي مَسْجِدِ الْمَدِينَةِ مَعَ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، فَمَرَّ بِنَا عَبْدُ اللهِ

بْنُ سَلَّامٍ مُتَّكِئًا عَلَى ابْنِ أَخِيهِ، فَنَفَذَ عَنِ الْمَجْلِسِ، ثُمَّ عَطَفَ عَلَيْهِ، فَرَجَعَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: مَا شِئْتَ عَمْرَو بْنَ عُثْمَانَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَوَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، إِنَّهُ لَفِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، مَرَّتَيْنِ: لَا تَقْطَعْ مَنْ كَانَ يَصِلُ أَبَاكَ فَيُطْفَأَ بِذَلِكَ نُورُكَ .

تمہارے ابا جن کے ساتھ اچھا تعلق رکھتے تھے ان کے ساتھ قطع تعلق نہ کیجیے- ورنہ تمہارا نور بجھا دیا جائے گا۔

ترجمہ: حضرت عبادہ زرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے کا سہارا لیے ہوئے وہاں سے گذرے، اور مجلس سے آگے نکل گئے۔ پھر مجلس کی طرف رخ کیا اور اہل مجلس کے پاس آئے اور حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہو کر کے کہنے لگے کہ اے عمرو بن عثمان! جو چاہو کرو (یہ دو تین مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا، یہ بات اللہ تعالی کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ بات اللہ تعالی کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے، کہ تمہارے ابا جس کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتے تھے تم ان کے ساتھ تعلق نہ توڑنا ورنہ تمہارا نور بجھا دیا جائے گا۔

تشریح: حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ ہیں، اکابر تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مجلس میں آئے تو آپ نے محسوس

کیا کہ حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا جیسا احترام کرنا چاہیے تھا نہیں کیا، اور جب چلتے رہے اور دیکھا کہ حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ توجہ نہیں دے رہے ہیں تو ناراضگی کے ساتھ واپس ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ تم میرے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہو تمہاری مرضی ہے، یعنی تمہارے والد کے ساتھ تعلق ہونے کا لحاظ رکھنا نہ رکھنا تمہاری مرضی، لیکن میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ باپ کے اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے کیوں کہ کتاب اللہ میں یہ بات آئی ہے کہ باپ کے اہل تعلق سے محبت رکھنا ضروری ہے، ورنہ تمہارا نور بجھا دیا جائے گا۔

یہاں اللہ تعالی کی کتاب سے مراد توریت ہے نہ کہ قرآن مجید۔ نور بجھ جانے کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ عوام الناس میں مقبولیت عامہ نہ رہے گی۔

ماں باپ سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ محبت رکھنا یعنی اگر ضرورت مند ہوں تو ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا، اگر بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کرنا، اگر ان کا انتقال ہو جائے تو ان کے جنازے میں شرکت کرنا، اور ماں باپ جو معاملہ ان کے ساتھ کرتے تھے ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا۔ یہ نہ صرف بڑی فضیلت کا کام ہے، بلکہ اس میں کوتاہی کرنے پر بڑی سخت وعید بھی آئی ہے۔

بَابُ الْوُدُّ يُتَوَارَثُ

٤٣ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ فُلَانِ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

كَفَيْتُكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الْوُدَّ يُتَوَارَثُ".

محبت بھی وراثت میں چلتی ہے

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن حزم کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ محبت بھی وراثت میں چلتی ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کی طرف سے اولاد کے اندر بہت سارے اوصاف پیڑھی در پیڑھی (نسل در نسل) منتقل ہوتے رہتے ہیں، محبت بھی اسی قبیل سے ہے کہ ماں باپ کے جن لوگوں کے ساتھ محبت کا تعلق تھا وہ تعلق اولاد میں منتقل ہوتا ہے اور اولاد بھی ان کے ساتھ محبت کا تعلق باقی رکھتی ہے۔

مستدرک الحاکم کی روایت میں یہ ہے:

الْوُدُّ يَتَوَارَثُ وَالْبُغْضُ يَتَوَارَثُ

محبت بھی وراثت میں چلتی ہے اور بغض بھی

یعنی ماں باپ کی جن کے ساتھ بے تعلقی رہی یہی سلسلہ آگے اولاد میں بھی چلتا ہے۔

بَابُ لَا يُسَمِّي الرَّجُلُ أَبَاهُ، وَلَا يَجْلِسُ قَبْلَهُ، وَلَا يَمْشِي أَمَامَه

٤٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَبْصَرَ رَجُلَيْنِ، فَقَالَ لِأَحَدِهِمَا: مَا هَذَا مِنْكَ؟ فَقَالَ: أَبِي، فَقَالَ: لَا تُسَمِّهِ بِاسْمِهِ، وَلَا تَمْشِ أَمَامَهُ، وَلَا تَجْلِسْ قَبْلَهُ.

کوئی شخص نہ اپنے والد کو نام سے پکارے، نہ ان سے پہلے بیٹھے اور نہ ان کے آگے چلے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو دیکھا تو آپ نے ایک سے خطاب کر کے پوچھا کہ یہ تیرے کون ہوتے ہیں؟ کہا کہ یہ میرے ابا ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تین باتیں ارشاد فرمائیں، پہلی بات اپنے والد کو نام لے کر نہ پکارنا، دوسری بات ان کے آگے نہ چلنا، تیسری بات ان سے پہلے مجلس میں نہ بیٹھنا۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف میں یہ بتلایا ہے کہ والدین کو نام لے کر نہ پکارا جائے، بلکہ جو آداب واحترام کے القاب ہیں مثلاً ابا جان، ابو جی، والد محترم اس طرح کے القاب سے پکارے، اسی طرح اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں ان پر سبقت نہ کرے، یہ بھی ان کے آداب اور حقوق میں سے ہے۔

بَابُ هَلْ يُكَنِّي أَبَاهُ؟

٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَحْيَى بْنِ نُبَاتَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه، فَقَالَ لَهُ سَالِمٌ: الصَّلَاةَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ.

کیا اپنے والد کو کنیت سے پکار سکتے ہیں؟

ترجمہ: حضرت شہر بن حوشب رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ سالم نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن! نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

تشریح: عرب میں اپنے باپ کو نام کے مقابلے میں کنیت سے پکارنے کو زیادہ ادب سمجھا جاتا ہے۔ تکریم اور احترام کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی آدمی کو نام سے پکارنے کے بجائے اس کو کنیت سے پکارا جائے مثلاً یوں کہے کہ فلانے کے ابا۔

اس حدیث میں سالم رحمہ اللہ تعالی نے اپنے والد کو نام کے بجائے کنیت سے پکارا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ایک کا نام عبدالرحمٰن تھا، تو أبو عبد الرحمٰن یعنی ''عبدالرحمٰن کے ابا'' یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

٤٦ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يَعْنِي: الْبُخَارِيَّ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُنَا، عَنْ وَكِيعٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: لَكِنْ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ قَضَى.

یہاں امام بخاری نے ایک دوسری روایت کا ایک ٹکڑا پیش کیا ہے کہ کسی موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی فیصلہ کا تذکرہ کر رہے تھے، تو انہوں نے یوں کہا: لَكِنْ أَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ قَضٰى ابوحفص عمر نے یہ فیصلہ کیا، گویا انہوں نے بھی اپنے والد کو کنیت سے یاد کیا۔

سالم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، کہتے ہیں عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے زیادہ آپ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے، اور سالم حضرت عبداللہ کی اولاد میں آپ سے بہت مشابہت رکھتے تھے، صورت کے ساتھ ساتھ سیرت میں بھی اپنے والد کے بہت مشابہ تھے، چنانچہ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ گھر میں سو درہم کے بقدر بھی سامان نہیں، ایک اور مرتبہ گیا تو

دیکھتا ہوں کہ اس سے بھی کم سامان ہے، اور ان کے انتقال کے بعد جب ان کے بیٹے سالم کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بھی زہد میں اپنے والد کے نقش قدم پر ہی ہیں۔

حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور واقعہ ہے ایک مرتبہ وہ کعبہ شریف میں تھے کہ خلیفہ ہشام بھی کعبہ شریف میں داخل ہوا، خلیفہ نے آپ سے کہا کہ مجھ سے کچھ چیز مانگ لو، سالم رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ بیت اللہ میں ہو کر غیر اللہ سے مانگنے میں شرم آتی ہے، جب دونوں باہر آئے تو خلیفہ نے پھر کہا کہ اب مانگو، سالم نے پوچھا کہ کیا مانگوں؟ دنیا کی کوئی ضروت مانگوں یا آخرت کی ضرورت؟ خلیفہ ہشام نے کہا کہ دنیا کی کوئی چیز مانگو، اس پر سالم رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب جواب ارشاد فرمایا کہ دنیا کے مالک (یعنی اللہ تعالیٰ) سے میں نے دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگی تو میں کیسے اس شخص سے دنیا مانگوں جو دنیا کا مالک نہیں ہے۔

آپ بہت متواضع تھے، آپ کی عادت تھی کہ ہمیشہ سادہ موٹے کپڑے پہنا کرتے تھے، ایک مرتبہ اسی لباس میں آپ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے، سلیمان نے آپ کی بہت عزت کی اور آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، اس مجلس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ام عاصم ہیں جو عاصم بن عمر رحمہ اللہ کی صاحبزادی ہیں، اس طرح وہ رشتہ میں حضرت سالم کی چچا زاد بہن ہوتی ہیں، تو کسی پرلے درجہ کے آدمی نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو طعنہ دیا کہ کیا تمہارے ماموں کو کوئی اچھا کپڑا ملا ہی نہیں جس کو پہن کر وہ امیر المومنین کے دربار میں حاضر ہوتے؟ اور اس آدمی کے پاس بہت ہی اچھے نفیس کپڑے تھے، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ میں نہیں دیکھتا کہ میرے ماموں کے کپڑے نے انہیں تیرے درجہ تک پہنچایا، اور یہ بھی نہیں دیکھتا کہ تیرے کپڑے نے تجھے ان کے درجہ تک پہنچا دیا۔

انہی اوصاف کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان سے بہت محبت کرتے تھے، ان کی محبت اتنی تھی کہ مخفی نہ رہ سکی اور لوگ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو سالم سے اتنی محبت کرنے پر ملامت کرتے تھے، اس پر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

يَلُومونَني في سالِمٍ وأَلُومُهُم ... وجِلْدةُ بين العين والأنْفِ سالمُ

یہ لوگ مجھے سالم سے اتنی محبت کرنے پر ملامت کرتے ہیں، لیکن میں ان کو ملامت کرتا ہوں کہ سالم تو میرا چہیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام سالم اس لیے رکھا تھا کہ اولین مسلمانوں میں سالم نامی ایک صحابی تھے جو حافظ قرآن تھے اور جنگ یمامہ جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی اس میں شہید ہوئے تھے۔ (سیر أعلام النبلاء)

بَابُ وُجُوبِ صِلَةِ الرَّحِمِ

٤٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا ضَمْضَمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَنَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا كُلَيْبُ بْنُ مَنْفَعَةَ قَالَ: قَالَ جَدِّي: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ وَأَبَاكَ، وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ، وَمَوْلَاكَ الَّذِي يَلِي ذَاكَ، حَقٌّ وَاجِبٌ، وَرَحِمٌ مَوْصُولَةٌ".

صلہ رحمی کے وجوب کا بیان

ترجمہ: حضرت کلیب بن منفعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کا معاملہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنے باپ کے ساتھ، پھر اپنی بہن کے ساتھ، پھر اپنے بھائی کے ساتھ اور پھر اپنے قریبی رشتہ دار کے ساتھ، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے اور ان رشتوں کو جوڑنا بھی ضروری ہے۔

تشریح: حضرت کلیب بن منفعہ رحمہ اللہ اپنے دادا کا واقعہ نقل کررہے ہیں کہ میرے دادا نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہتا ہوں سب سے پہلے کس کو مقدم کروں؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا أمك وأباك الخ، شراح نے لکھا ہے کہ أمك وأباك میں واو عطف کے معنیٰ میں نہیں ہے کہ ماں اور باپ میں سے جس کسی کو مقدم کرنا چاہے اس کی اجازت ہے، بلکہ واو یہاں ثم کے معنیٰ میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں اور باپ کے حقوق ادا کرنے میں ترتیب ہے کہ پہلے ماں کا حق ہے پھر باپ کا پھر دوسرے رشتہ دار بہن، بھائی وغیرہ کا۔

رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی کا کم سے کم درجہ یہ ہے آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرے، خیر خیریت پوچھے اور خوشی کے موقع پر ان کی خوشی میں اور غمی کے موقع پر ان کے غم میں شریک رہے، مدد کی ضرورت ہو تو ان کی امداد کرے، خلاصہ یہ کہ حتی الامکان ان کے حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔

علماء نے لکھا ہے اگر کوئی رشتہ دار دور رہتا ہو تو خط کے ذریعہ ان کی خیریت معلوم کرنا یہ بھی ان کے حقوق میں سے ہے، آج کل فون کے ذریعہ بھی ان کو سلام کلام کیا جا سکتا ہے اور ان کی خیر خیریت معلوم کی جا سکتی ہے۔

٤٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَى: "يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا بَنِي هَاشِمٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ. يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهُمَا بِبِلَالِهَا".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی "اے نبی! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالی کے عذاب سے ڈرایئے" اس وقت نبیٔ کریم ﷺ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اپنے قبیلے والوں کا نام لے کر پکارا، اے کعب بن لؤی کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے عبد مناف کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے بنو ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ، اے عبد المطلب کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے فاطمہ بنت محمد! (ﷺ) اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ، میں اللہ تعالی کے مقابلے میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، البتہ تمہاری میرے ساتھ جو رشتہ داری ہے میں پانی سے اس کی سینچائی کر دوں گا۔

تشریح: حضرت کعب بن لوئی کی اولاد قریش کہلاتی ہے، جب آپ ﷺ نے اپنے خاندان والوں کو اللہ کی طرف بلایا اس وقت آپ صفا پہاڑی پر کھڑے تھے اور اپنے قبیلہ والوں کے نام لے کر پکار رہے تھے کہ اے قریش! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ، یعنی اپنے آپ کو شرک اور کفر سے بچا کر جہنم کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ کرلو!

عبد مناف حضور اکرم ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اور وہ عبد المطلب کے دادا ہوتے ہیں۔

یہاں پر سوال ہوسکتا ہے کہ بہت سی احادیث میں نبی ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کی سفارش کی وجہ سے لوگ جہنم سے بچالیے جائیں گے، تو اس جملہ کا کیا مطلب رہا کہ لَا أملك لك من الله شيئًا کل قیامت کے دن میں تجھ کو کچھ بھی نفع نہیں پہونچا سکوں گا؟ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی شفاعت برحق ہے، مگر اس شفاعت کے لیے یہ شرط ہے کہ آدمی اہل کلمہ میں سے ہو، اگر ایمان نہیں لایا اور مسلمان نہیں تو نبی ﷺ کی شفاعت اسے نصیب نہیں ہوگی۔

سَأَبُلُّهُمَا بِبِلَالِهَا اس جملہ کا مطلب: بَلَّ يبُلُّ کے معنی ہیں تر کرنا، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پانی سے زمین کو سیراب کرنے کی وجہ سے وہ سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے، اور سیراب نہ کرنے کی وجہ سے وہ خشک ہوکر معطل ہوجاتی ہے، اسی طرح رشتہ داری کا حال ہے کہ اس کے حقوق کو ادا کریں گے تو وہ تر وتازہ رہے گی اور اس سے فائدہ پہونچے گا، اور اگر اس کے حقوق ادا نہیں کریں گے، تو یہ تعلق زمین کی طرح خشک ہوکر ختم ہوجائے گا۔

بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ

٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ يَذْكُرُ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضي الله عنه، أَنَّ أَعْرَابِيًّا عَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرِهِ، فَقَالَ: أَخْبِرْنِي مَا يُقَرِّبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: "تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ".

صلہ رحمی کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ ایک دیہاتی نے سامنے آکر نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ایسا کام بتلائیے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور جہنم سے دور کردے، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

تشریح: نبی ﷺ نے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والے چار کام بتلائے ہیں۔ اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی تاکید کرنا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا نفع بہت زیادہ ہے، سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ اس کی ادائیگی پر جنت جیسی قیمتی جگہ کے ملنے اور جہنم جیسی بھیانک جگہ سے خلاصی کا وعدہ ہے۔

٥٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ،

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْخَلْقَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ، فَقَالَ: مَهْ، قَالَتْ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ، قَالَ: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ: فَذَلِكَ لَكِ" ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾[محمد: ٢٢]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، اور جب اللہ تعالی اس سے فارغ ہوئے تو رشتہ داری کھڑی ہوئی، تو باری تعالیٰ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیوں کھڑی ہوئی؟ تو اس نے کہا کہ یہ اس شخص کا کھڑا ہونا ہے جو آپ سے اپنے حقوق کے ضائع ہونے کے بارے میں پناہ چاہتا ہے۔ اس پر باری تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھے جوڑے میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے میں اس کو کاٹوں گا، اس پر رشتہ داری نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کیوں نہیں! تو باری تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا کہ جا! تجھ کو یہ ضمانت ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو تجھے کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾

پھر کیا یہ توقع ہے کہ اگر تم کو اقتدار حاصل ہو جائے تو تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف سے رشتہ داری کے کھڑے ہونے کا اور اللہ تعالی سے فریاد کرنے کا پتہ چلتا ہے، تو اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ رشتہ داری تو کوئی نظر آنے والی چیز نہیں ہے، یہ تو عرض ہے، اس کا تو کوئی جسم نہیں ہے، وہ تو ایک معنوی چیز

ہے،تو پھر یہ کیسے کھڑی ہوئی؟

علماء نے اس کے چند جوابات دیے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رشتہ داری کی طرف سے کوئی فرشتہ کھڑا ہوا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اُس عالم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان معنوی چیزوں کو بھی ان کے مناسب جسم اور بدن عطا کیا گیا ہو،اور رشتہ داری نے اسی جسم میں متشکل اور نمودار ہوکر اپنی بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کی ہو۔

اس درخواست کا خلاصہ یہ ہے کہ اے باری تعالیٰ! تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھے پیدا کر کے میرے حقوق آپ نے متعین کیے ہیں،لیکن لوگ میرے حقوق ادا کریں گے اس کی کوئی ضمانت ملنی چاہیے کہ اگر کسی نے میرے حقوق کو ادا نہیں کیا اس کو کیا سزا ملے گی؟ اور جس نے میرے حقوق کو ادا کیا اس کو کیا انعام ملے گا؟ باری تعالیٰ کی طرف سے یہ ضمانت دی گئی کہ جو تیرے حقوق کو ادا کرے گا اس کو میں اپنے سے جوڑوں گا،اور جو تیرے حقوق کو ضائع کرے گا میں اس کو اپنے سے کاٹوں گا، اس ضمانت پر تو خوش ہے یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی اور چیز چاہیے؟ اس نے کہہ دیا کہ میں اس پر راضی ہوں۔تو باری تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا کہ جاؤ تم کو یہ ضمانت ہے۔

رشتہ داری ایک تعلق ہے جو انسانوں کے درمیان قائم کیا گیا ہے۔مثلاً ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی ساری رشتہ داریاں اس کے ساتھ جڑ جاتی ہیں، باپ، ماں،دادا،دادی، نانا،نانی، چچا، پھوپھی،خالہ،ماموں یہ سارے رشتے پیدا ہوتے ہی بچے کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے رشتہ داری کو پیدا کیا تو اس کے حقوق بھی اللہ تعالیٰ نے متعین کردیے، بیٹے کو حکم دیا کہ باپ کے حقوق ادا

کرے، باپ کو حکم دیا کہ بیٹے کے حقوق ادا کرے، بھائی کو حکم دیا کہ دوسرے بھائیوں کے حقوق میں کوتاہی نہ کرے۔ اسی طرح سارے رشتہ داروں کو حکم دیا کہ جو حقوق متعین ہیں ان میں کوتاہی نہ کرے۔

عام طور پر انہی رشتوں کو نبھانے میں کوتاہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی قطع رحمی کی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ اپنے خاندان والوں سے، بھائیوں سے اور دوسرے رشتہ داروں سے جھگڑے شروع ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی ان کو سمجھاتا ہے تو وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

بہر حال ایسے لوگوں کے لیے بہت سخت وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

٥١ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ﴿وَآتِ ذَاالْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ. . .﴾ [الإسراء: ٢٦]، قَالَ: بَدَأَ فَأَمَرَهُ بِأَوْجَبِ الْحُقُوقِ، وَدَلَّهُ عَلَى أَفْضَلِ الْأَعْمَالِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَقَالَ: ﴿وَآتِ ذَاالْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ [الإسراء: ٢٦]، وَعَلَّمَهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ شَيْءٌ كَيْفَ يَقُولُ، فَقَالَ: ﴿وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا﴾ [الإسراء: ٢٨] عِدَةً حَسَنَةً كَأَنَّهُ قَدْ كَانَ، وَلَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ إِنْ شَاءَ اللهُ، ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ﴾ [الإسراء: ٢٩] لَا تُعْطِي شَيْئًا، ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ [الإسراء: ٢٩]

تُعْطِي مَا عِنْدَكَ، ﴿فَتَقْعُدَ مَلُومًا﴾ [الإسراء: ۲۹] يَلُومُكَ مَنْ يَأْتِيكَ بَعْدُ، وَلَا يَجِدُ عِنْدَكَ شَيْئًا ﴿مَحْسُورًا﴾ [الإسراء: ۲۹]، قَالَ: قَدْ حَسَّرَكَ مَنْ قَدْ أَعْطَيْتَهُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَآتِ ذَاالْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ (رشتہ داروں، اور مسکین، اور مسافر کو ان کا حق دیجیے) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس آیت سے پہلے والی آیت ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ (اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو) میں سب سے زیادہ اہم اور لازم حق سے ابتدا فرمائی، پھر اللہ تعالی نے سب سے افضل عمل کی طرف رہنمائی فرمائی کہ رشتہ داروں، اور مسکین، اور مسافر کو ان کا حق دیجیے۔ یہ تو اس وقت ہے جب مال ہو۔ اور اگر دینے کے واسطے کچھ نہیں تو اللہ تعالی نے اس کی بھی تعلیم دی کہ کس طرح غرباء کو جواب دیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

﴿وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا﴾

اگر کسی وقت تمہارے پاس ان لوگوں کو دینے کے لیے مال نہ ہو اور اس لیے تم کو اس رزق کے انتظار میں جس کی اپنے پروردگار سے توقع ہو اس کے نہ آنے تک ان سے پہلو تہی کرنا پڑے تو اتنا خیال رکھنا کہ ان سے نرمی کی بات کہہ دینا یعنی دلجوئی کے ساتھ ان سے وعدہ کر لینا کہ ان شاء اللہ تعالی کہیں سے آئے گا تو دیں گے۔ دل آزار جواب مت دینا۔

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ﴾

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لو کہ انتہائی بخل سے بالکل ہاتھ کو خرچ کرنے سے روک لو۔

﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾

اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کر کے اسراف کیا جائے۔

﴿فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا﴾

ورنہ الزام خوردہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

تشریح: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن پاک کی آیت ﴿وآت ذی القربیٰ﴾ الخ کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں کہ تمہارے رشتہ دار اپنی ضرورت کو لے کر تمہارے پاس آئیں اور تمہارے پاس مال موجود ہے تو تمہارے ذمہ واجب ہے کہ ان کی مدد کریں، اور اگر تمہارے پاس ان کو دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے تو ان کو بھلی بات کہیں۔ بھلی بات کا مطلب یہ ہے کہ اچھے انداز میں جھڑکے بغیر اچھا وعدہ کرے، وعدہ کے لیے بھی محبت والی زبان استعمال کرے جیسے یہ کہے کہ بھائی! امید ہے ان شاء اللہ تعالی کچھ آ جائے گا، فلاں جگہ سے کچھ آنے والا ہے، جب آ جائے گا تو آپ کا خیال کریں گے، اس طرح کہہ کر ان کو تسلی دے۔

اس کے بعد آگے اللہ تعالیٰ مال خرچ کرنے کا طریقہ بتلا رہے ہیں کہ مال خرچ کرنا اللہ تعالی کے ہاں بڑا پسندیدہ عمل ہے، مگر اس میں بھی اعتدال کو لازم پکڑے، ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ پیسے جمع کر کے بیٹھا رہے اور کسی کو کچھ نہ دے کہ لوگ طعن وتشنیع کرنے لگیں اور ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بغیر سوچے سمجھے سارا ہی مال خرچ کر بیٹھے جس کے نتیجہ میں کچھ دن بعد آدمی زیادہ خرچ کرنے پر نادم اور پشیمان ہو جائے، شریعت مطہرہ نے اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور اسی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ فَضْلِ صِلَةِ الرَّحِمِ

٥٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ،

عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: أَتَى رَجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي قَرَابَةً أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُونَ، وَأُحْسِنُ إِلَيْهِمْ وَيُسِيئُونَ إِلَيَّ، وَيَجْهَلُونَ عَلَيَّ وَأَحْلُمُ عَنْهُمْ، قَالَ: "لَئِنْ كَانَ كَمَا تَقُولُ كَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ".

صلہ رحمی کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے کچھ ایسے رشتہ دار ہیں جن کا میں تو حق ادا کرتا ہوں مگر وہ میرا حق ادا نہیں کرتے، میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی سے پیش آتا ہوں، مگر وہ میرے ساتھ برائی اور جہالت کا معاملہ کرتے ہیں اور میں بردباری اور تحمل سے کام لیتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تمہاری یہ بات صحیح ہے تو پھر گویا تم ان کو گرم راکھ کھلا رہے ہو، اور جب تک تم بردباری اور تحمل سے کام لیتے رہو گے تو اللہ تعالی کی مدد تمہارے ساتھ برابر باقی رہے گی۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا اچھا معاملہ کرنے کے باوجود کوئی تمہارے ساتھ برا معاملہ کرے تو کچھ پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے، تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اسی کو لازم پکڑو، ان شاء اللہ خدا کی مدد تمہارے ساتھ رہے گی، اور اگر اس طریقہ کو تم چھوڑ دو گے تو اللہ تعالی کی مدد تم سے ہٹ جائے گی۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک آدمی اپنے ساتھ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے، اور پھر تھک کر بھلائی کرنا چھوڑ دیتا ہے اور لوگ بھی اس کو

کہتے ہیں کہ جو تمہارے ساتھ برائی کر رہا ہے اس کے ساتھ تم کب تک بھلائی کرتے رہو گے؟ تم ایک مدت سے اس کے حقوق ادا کر رہے ہو پھر بھی وہ تمہارے حقوق ضائع کر رہا ہے، ایسا کب تک چلے گا؟

ہمارے پیغمبر ﷺ کی تعلیم یہی ہے کہ جو کوئی ہمارے ساتھ برائی سے پیش آئے ہم اس کے ساتھ اچھائی سے پیش آئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ، وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ

جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو، اور جو شخص تم کو نہ دے پھر بھی تم اس کو دو اور جو تم پر ظلم و زیادتی کرے تو اس کو معاف کر دو (مسند احمد)

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک جگہ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے کہ ایک آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموشی سے سنتے رہے اور آپ ﷺ یہ منظر دیکھ کر مسکراتے رہے۔ جب بات بڑھ گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی جواب دینا شروع کیا، اسی وقت حضور ﷺ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پیچھے تشریف لائے اور آپ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب وہ شخص گالی گلوچ کر رہا تھا اور میں بالکل خاموش بیٹھا رہا اس وقت تک آپ برابر میری طرف متوجہ تھے، لیکن جیسے ہی میں نے اس کو جواب دینا شروع کر دیا آپ اٹھ کر تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک آپ خاموش تھے تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کا جواب دیتا رہا، لیکن جب آپ نے بولنا شروع کر دیا تو شیطان مجلس

میں آ گیا اور میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھتا جس میں شیطان ہوتا ہے (مسند بزار)

٥٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا الرَّدَّادِ اللَّيْثِيَّ أَخْبَرَهُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا الرَّحْمَنُ، وَأَنَا خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَاشْتَقَقْتُ لَهَا مِنَ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ ".

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی کا یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم یعنی رشتہ داری کو پیدا کیا، میں نے اپنے نام میں سے اسکا نام بنایا، جو رشتہ داری کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے نام رحمٰن کے اندر بنیادی حروف ر، ح، م ہیں۔ ان بنیادی حروف کو عربی زبان میں مادۂ اصلیہ کہتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے رَحِم (رشتہ داری کا نام) اپنے نام سے بنایا، عربی زبان میں رشتہ داری کے لیے لفظ رحم بولا جاتا ہے اور لفظ رحم اصل میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، اور رشتہ داری کو رحم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بچہ دانی اصل میں ساری رشتہ داریوں کی جڑ ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ ہماری طرف سے صلہ رحمی کا اہتمام ہونا چاہیے۔

٥٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِي الْعَنْبَسِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

رضي الله عنه فِي الْوَهْطِ - يَعْنِي أَرْضًا لَهُ بِالطَّائِفِ - فَقَالَ: عَطَفَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِصْبَعَهُ فَقَالَ: ''الرَّحِمُ شجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، مَنْ يَصِلْهَا يَصِلْهُ، وَمَنْ يَقْطَعْهَا يَقْطَعْهُ، لَهَا لِسَانٌ طَلْقٌ ذَلْقٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''.

ترجمہ: حضرت ابی عنبس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک زمین شہر طائف کے مقام وھط میں تھی، میں وہاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے اپنی انگلی یوں موڑی اور فرمایا کہ رحم رحمٰن ہی کا ایک حصہ ہے، جو شخص رشتہ داری کو جوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو جوڑے گا اور جو رشتہ داری کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اس کو کاٹے گا۔ اور قیامت کے روز اس رشتہ داری کو بڑی شیریں اور فصیح وبلیغ زبان عطا کی جائے گی (اور وہ اپنی اس فصیح زبان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں اپنی بات پیش کرے گی)

تشریح: حدیث شریف میں لفظ شجنۃ آیا ہے، عربی زبان میں شجنۃ درخت کی الجھی ہوئی شاخوں کو کہتے ہیں، الرَّحِمُ شجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ رحم اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام رحمٰن ہی کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رشتہ داری کا خصوصی تعلق میرے ساتھ ہونے کی وجہ سے جو شخص رشتہ داری کو جوڑے گا میں اس کو جوڑں گا اور جو شخص رشتہ داری کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔

٥٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ اللهِ، مَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللهُ''.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ رحم یعنی رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے اثر اور نشانی میں سے ہے جس نے اس کو جوڑا اس کو اللہ تعالیٰ جوڑے گا اور جس نے اس کو کاٹا اللہ تعالیٰ بھی اس کو کاٹے گا۔

بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ تَزِيدُ فِي الْعُمْرِ

٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَقِيلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ".

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو، اور اس کے نقوش پا دیر تک رہیں یعنی عمر میں زیادتی ہو، تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے روزی میں کشادگی اور عمر میں اضافے کا ایک بہترین علاج بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ رشتہ داری کا حق ادا کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

آج کل بہت سے لوگ روزی کی کشادگی کے لیے وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں، لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے جو وظیفہ بتلایا ہے اس کو اپنانے کے لیے تیار نہیں۔

٥٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْنٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی روزی میں برکت اور کشادگی ہو اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داری کا حق ادا کرے۔

بَابُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ أَحَبَّهُ أَهْلُهُ

٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مَغْرَاءَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: مَنِ اتَّقَى رَبَّهُ، وَوَصَلَ رَحِمَهُ، نُسِّئَ فِي أَجَلِهِ، وَثَرَى مَالُهُ، وَأَحَبَّهُ أَهْلُهُ.

جو آدمی صلہ رحمی کرے گا اس کے خاندان والے اس سے محبت کریں گے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالی سے ڈرے اور رشتہ داری کا حق ادا کرے اس کی عمر میں اضافہ ہوگا، اس کے مال میں زیادتی ہوگی اور اس کے خاندان والے اس سے محبت کریں گے۔

٥٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي مَغْرَاءُ أَبُو مُخَارِقٍ هُوَ الْعَبْدِيُّ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَنِ اتَّقَى رَبَّهُ، وَوَصَلَ رَحِمَهُ، أُنْسِئَ لَهُ فِي عُمْرِهِ، وَثَرَى مَالُهُ، وَأَحَبَّهُ أَهْلُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہماں فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالی سے ڈرے اور رشتہ داری کا حق ادا کرے اس کی عمر میں اضافہ ہوگا، اس کے مال میں زیادتی ہوگی اور اس کے خاندان والے اس سے محبت کریں گے۔

بَابُ بِرِّ الْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ

٦٠ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ بَحِيرٍ، عَنْ

خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللهَ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، ثُمَّ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، ثُمَّ يُوصِيكُمْ بِآبَائِكُمْ، ثُمَّ يُوصِيكُمْ بِالْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ".

حسب مراتب قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ماؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے باپوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، اس کے بعد جو رشتہ داری جتنی قریب ہو اسی کے مناسب اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

تشریح: رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی میں بھی جس کا رشتہ جتنا زیادہ قریب ہے اس کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا دور والے رشتہ دار کے مقابلے میں۔

٦١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْخَزْرَجُ بْنُ عُثْمَانَ أَبُو الْخَطَّابِ السَّعْدِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أَيُّوبَ سُلَيْمَانُ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ: جَاءَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَشِيَّةَ الْخَمِيسِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: أُحَرِّجُ عَلَى كُلِّ قَاطِعِ رَحِمٍ لَمَا قَامَ مِنْ عِنْدِنَا، فَلَمْ يَقُمْ أَحَدٌ حَتَّى قَالَ ثَلَاثًا، فَأَتَى فَتًى عَمَّةً لَهُ قَدْ صَرَمَهَا مُنْذُ سَنَتَيْنِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ: يَا ابْنَ أَخِي، مَا جَاءَ بِكَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَقُولُ كَذَا وَكَذَا، قَالَتِ: ارْجِعْ إِلَيْهِ فَسَلْهُ: لِمَ قَالَ ذَاكَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ عَلَى اللهِ تبارَكَ وَتَعَالَى عَشِيَّةَ كُلِّ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلَا يَقْبَلُ عَمَلَ قَاطِعِ رَحِمٍ".

ترجمہ: حضرت ابوایوب سلیمان رحمہ اللہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعرات کی شام ہمارے پاس تشریف لائے، لوگ بیٹھے ہوئے تھے، آ کر فرمانے لگے کہ ہر وہ آدمی جس نے رشتہ داری کا حق ادا نہ کیا ہو میں اس کو قسم دیتا ہوں کہ وہ ہماری مجلس سے اٹھ جاوے، کوئی اٹھا نہیں، تو آپ نے تین مرتبہ یہ بات کہی کہ جس شخص نے بھی اپنی رشتہ داری کا حق ادا نہیں کیا وہ یہاں سے اٹھ جائے، وہاں سے اٹھنے کے لیے کہا اور ہٹانا چاہا، تین مرتبہ جب کہا تو فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان اٹھا اور اپنی پھوپھی کے پاس گیا، دوسال سے اس نے اپنی پھوپھی کے ساتھ قطع تعلق کر رکھا تھا، جا کر معافی مانگی، پھوپھی نے پوچھا کہ بھتیجا! کونسی بات پیش آئی جس کی وجہ سے تم معافی مانگ رہے ہو، دوسال تک تو تم آئے نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آج ہماری مجلس میں آئے اور انہوں نے یہ بات کہی کہ جس نے بھی قطع رحمی کی ہو وہ اس مجلس سے اٹھ جاوے، تین مرتبہ کہا، تو پھر پھوپھی نے کہا کہ جاؤ تم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان سے پوچھو کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ چنانچہ وہ نوجوان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ انسانوں کے اعمال ہر جمعرات کی شام کو، یعنی جمعہ کی شب میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں، جس شخص نے رشتہ داری کا حق ادا نہ کیا ہو، قطع رحمی کی ہو تو اس کے اعمال اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔

٦٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ الْحَنَفِيُّ، عَنْ آدَمَ بْنِ عَلِيٍّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه: مَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ وَأَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا إِلَّا آجَرَهُ اللهُ تَعَالَى فِيهَا، وَابْدَأْ بِمَنْ

تَعُولُ، فَإِنْ كَانَ فَضْلًا فَالْأَقْرَبَ الْأَقْرَبَ، وَإِنْ كَانَ فَضْلًا فَنَاوِلْ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ آدمی جو کچھ بھی اپنی ذات اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثواب کی امید رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی ثواب عطا فرماتا ہے، اور خرچ کرنے میں ابتدا اس سے کرو جس کی ذمہ داری تم پر ہے، اس کے بعد بھی بچ جائے تو جو رشتہ دار جتنا زیادہ قریب ہو اسی حساب سے اس پر خرچ کرو، اس کے بعد بھی بچ جائے تو اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرو۔

تشریح: مذکورہ حدیث سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

آدمی اپنی ذات پر، اسی طرح اپنی بیوی بچوں پر جو کچھ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔

جن کے حقوق مقدم ہیں سب سے پہلے ان کے نان ونفقہ کو ادا کرے، مثلاً سب سے پہلے اپنی بیوی بچوں کے حقوق ادا کرے، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد اگر مال بچ جائے تو اس سے دوسروں کے حقوق کو ادا کیا جائے، اس کے بعد بھی مال بچ جائے تو پھر دوسرے نیکی کے کاموں میں خرچ کرے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے دوسرے امور میں بھی سب سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرے اور پھر اپنے گھر والوں کی اور پھر عام لوگوں کی۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارا معاملہ الٹا ہے کہ پہلے ہم دوسروں کی بہت فکر کرتے ہیں، اور خود کو اور اپنے گھر والوں کو بھول جاتے ہیں۔ ہم دوسروں کے بارے میں تو ہر وقت فتوی پوچھتے رہتے ہیں مثلاً فلاں شخص ہر سال رمضان میں عمرہ کے لیے جاتا ہے حالانکہ اس کے رشتہ دار بہت زیادہ ضرورت مند ہیں تو اس کا عمرہ صحیح ہوگا کہ نہیں، اس کو کونسا کام مقدم

کرنا چاہیے۔ ایسے فتوی پوچھنے والوں سے میں کہتا ہوں کہ اس کام میں مت پڑو، اس لیے کہ عمرہ میں جا کر اس نے کوئی گناہ کا کام تو نہیں کیا ہے۔ اور اس پر مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی پوچھنے والا شخص کبھی اپنے یہاں شادی وغیرہ میں جو فضول خرچی ہوتی ہے اس کے بارے میں ہرگز نہیں پوچھتا کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔

ہاں، جو لوگ عمرہ وغیرہ کے لیے جاتے ہیں، اسی طرح جو لوگ بہت زیادہ خیرات کرتے ہیں ان کو پہلے معلوم کرنا چاہیے کہ میرے لیے کس کام میں زیادہ ثواب ہے۔ میرے کچھ رشتہ دار محتاج بھی ہیں، تو میرے لیے بہتر کیا ہے: عمرہ کرنا، خیرات کرنا یا اپنے ان ضرورت مند رشتہ داروں کی ضرورت پوری کرنا۔

ہر کام سے پہلے استحضار ہو اور استحضار کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے چھوٹے بڑے، دنیوی اخروی، ہر کام خالص اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہوں۔

استحضار لانے کا طریقہ: ہر کام کرنے سے پہلے تھوڑی دیر سوچے کہ میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں اور پھر اپنے دل سے کہے کہ یہ کام میں محض اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے کر رہا ہوں، چند مرتبہ اس طرح مشق کرنے سے ہمارا ہر کام خالص اللہ کے لیے ہو جائے گا، ہمارے جتنے بڑے گزرے ہیں انہوں نے اپنا ہر کام اللہ کے لیے ہو اس کی ایک مدت تک مشق کی ہے، ان میں سے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک مدت تک اس کی مشق کی کہ میرا ہر کام اللہ تعالی کے لیے ہو جائے، مثلا جب بھی گھر میں آتا اور کھانے کے لیے بیٹھتا تو بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ کھانے کی طرف بڑھانے سے پہلے اپنے آپ سے یہ سوال کرتا کہ میں کھانا

کیوں کھا رہا ہوں؟ اور پھر اپنے آپ کو سمجھاتا کہ میں اس وجہ سے کھا رہا ہوں کہ بھوک لگی ہے، اور بھوک کے وقت شریعت نے کھانے کا حکم دیا ہے۔ اور چند دنوں تک اس کی مشق کی تو دھیرے دھیرے ہر وقت یہ سوچ جم گئی کہ میں یہ کھانا اللہ کے لیے کھا رہا ہوں، اسی طرح گھر میں جب پہنچتا تو گھر کے بچے سامنے آتے اور جی چاہتا کہ فوراً بچوں کو اٹھا کر پیار کروں لیکن بچوں کو اٹھانے سے پہلے سوچتا کہ میں ان کو کیوں پیار کر رہا ہوں؟ اور پھر اپنے جی میں کہتا کہ میں اس لیے پیار کر رہا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی بچوں کو پیار کرتے تھے، میں آپ ﷺ کی اتباع میں ان کو پیار کر رہا ہوں۔

باب لا تنزل الرحمة على قوم فيهم قاطع رحم

٦٣ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو إِدَامٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تَنْزِلُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ".

ایسی قوم پر رحمت نہیں اترتی ہے جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں ایک بھی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔

تشریح: پوری قوم میں اگر ایک بھی شخص قطع رحمی کرنے والا موجود ہو تو اس کی وجہ سے پوری قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل تو گھر گھر میں قطع رحمی کرنے والے موجود ہیں تو پھر اللہ کی رحمت کیسے نازل ہوگی، آپ

حسن سلوک کا اہتمام کیجیے چاہے دوسرے لوگ آپ کا حق ادا کریں یا نہ کریں، آپ اپنی طرف سے جتنا ہوسکے اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہیں اور اس کی فکر نہ کریں کہ میرے رشتہ دار میرے حقوق ادا کر رہے ہیں یا نہیں، اس لیے کہ اس حسن سلوک پر کبھی بھی پشیمانی نہیں ہوگی، ہاں اس شخص کو فکر ہونی چاہیے جو اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہا ہے۔

بَابُ إِثْمِ قَاطِعِ الرَّحِمِ

٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَقِيلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، أَنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ رضي الله عنه أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ".

رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی کے گناہ کے بارے میں

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح: جو آدمی رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرتا ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرتا ہو تو جب تک کہ وہ اپنے گناہ کی سزا جہنم میں نہ بھگتے اور اس گناہ سے پاک صاف نہ ہو جائے وہاں تک جنت میں نہیں جائے گا، اس سے اندازہ لگاؤ کہ یہ کتنا سنگین گناہ ہے جو آدمی کو جنت میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔

٦٥ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يُحَدِّثُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''إِنَّ الرَّحِمَ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ، تَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنِّي ظُلِمْتُ، يَا رَبِّ، إِنِّي قُطِعْتُ، يَارَبِّ، إِنِّي إِنِّي، يَارَبِّ، يَارَبِّ. فَيُجِيبُهَا: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ، وَأَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ؟ ''.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم یعنی رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے نام رحمن کے آثار میں سے ہے، یہ رشتہ داری کہے گی اے میرے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے میرے رب مجھے توڑا گیا، تو اس کو اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے توڑے گا اس کو میں توڑوں گا اور جو تجھے جوڑے گا اس کو میں جوڑوں گا۔

تشریح: شجنۃ اصل میں کہتے ہیں درخت کی وہ شاخیں جو آپس میں الجھی ہوئی ہوں، گویا اس حدیث سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رشتہ داری لفظ رحم سے بنا ہے اور رحم ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسم مبارک رحمٰن بنا ہے۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ قیامت کے دن رشتہ داری اس شخص کے بارے میں شکایت کرے گی جس نے اس کے حقوق ضائع کر دیئے۔

پچھلی روایت میں آچکا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بڑی شیریں اور فصیح زبان عطا فرمائے گا اور وہ اپنی اس زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور ان لوگوں کی شکایت کرے گی جنہوں نے اس کے حقوق کو ضائع کر دیا اور ان لوگوں کے بارے میں سفارش کرے گی جنہوں نے اس کے حقوق کو ادا کیا۔

یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ رشتہ داری تو معنوی چیز ہے اس کا تو کوئی جسم نہیں ہے تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں کس طرح شکایت کرے گی؟ اس لیے کہ شکایت کے لیے تو زبان ہونا ضروری ہے اور اس کے پاس تو زبان ہے نہیں، تو شارحین نے اس اشکال کے چند جوابات دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی طرف سے کسی فرشتے کو مقرر کرے گا جو اس کی شکایت اللہ تعالی کے حضور میں پیش کرے گا، اور دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ رشتہ داری کو اس عالم کے مناسب کوئی جسم دیا جائے گا اور وہ خود اللہ تعالی کے حضور شکایت کرے گی۔

٦٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سَمْعَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَتَعَوَّذُ مِنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ وَالسُّفَهَاءِ. فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ سَمْعَانَ رحمه الله تعالى: فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَسَنَةَ الْجُهَنِيُّ رحمه الله أَنَّهُ قَالَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: مَا آيَةُ ذَلِكَ؟ قَالَ: أَنْ تُقْطَعَ الْأَرْحَامُ، وَيُطَاعَ الْمُغْوِي، وَيُعْصَى الْمُرْشِدُ.

ترجمہ: حضرت سعید ابن سمعان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نوعمروں اور کم عقلوں کی سرداری سے پناہ چاہتے تھے۔ حضرت سعید ابن سمعانؒ کہتے ہیں کہ ابن حسنہ الجھنی نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نوعمروں اور کم عقلوں کے اقتدار کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ (اس کی نشانی یہ ہے کہ) رشتہ داری کو توڑا جائے اور گمراہ کرنیوالے کی اطاعت کی جائے اور راہ راست بتلانے والے کی نافرمانی کی جائے۔

تشریح: نوعمروں اور کم عقلوں کی سرداری سے پناہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ وقت نہ آئے جس میں حکومت اور اقتدار نوعمروں اور ناواقف لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے، اور وہ لوگ انصاف کے بجائے ظلم اور بے انصافی کا معاملہ کرنے لگیں

بَابُ عُقُوبَةِ قَاطِعِ الرَّحِمِ فِي الدُّنْيَا

٦٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرَى أَنْ يُعَجِّلَ اللهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَالْبَغْيِ".

جو شخص قطع رحمی کرے اس کی دنیا میں سزا

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو گناہ ایسے ہیں جس کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، ایک تو قطع رحمی اور دوسرا سرکشی اور ظلم۔

تشریح: قطع رحمی اور ظلم یہ دونوں ایسے گناہ ہیں کہ ان کے کرنے والوں پر آخرت کی سزا تو اپنی جگہ طے ہے ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ نہیں ہے۔

بَابُ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ

٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ،

وَالْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، وَفِطْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه - قَالَ سُفْيَانُ لَمْ يَرْفَعْهُ الْأَعْمَشُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَفَعَهُ الْحَسَنُ وَفِطْرٌ - عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا''.

برابری کا بدلہ دینے والا حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا نہیں

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص برابری کا معاملہ کرنے والا ہے وہ درحقیقت رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنے والا نہیں، حقیقت میں رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے والا وہ شخص ہے جو اس کے ساتھ قطع رحمی کرے اس کے ساتھ بھی وہ صلہ رحمی کا معاملہ کرے۔

تشریح: آج کل ہمارا یہ مزاج بن گیا ہے کہ جو ہمارے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے ہم اسی کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے، یہ نبوی تعلیمات کے خلاف ہے، نبوی تعلیم تو یہ ہے کہ جو ہمارے حقوق ضائع کرے اس کے باوجود بھی ہم ان کے حقوق ادا کریں، اور اگر ہمارے ساتھ کوئی احسان کا معاملہ کرتا ہے، تو ہی اس کے ساتھ ہم بھی احسان کا معاملہ کریں تو گویا ہم اپنے احسان کا بدلہ دنیا میں دے رہے ہیں، مؤمن کا مقصد تو آخرت ہونا چاہیے، وہ جو بھی کام کرتا ہے آخرت کے لیے کرتا ہے اور آخرت کے اجر وثواب کی امید رکھتا ہے، اس لیے کہ دنیا والے تو ایک حساب سے دیں گے، اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو بے حساب دیتی ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

بَابُ فَضْلِ مَنْ يَصِلُ ذَا الرَّحِمِ الظَّالِمِ

٦٩ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْسَجَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ رضى الله عنه قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، عَلِّمْنِي عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، قَالَ: "لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ، أَعْتِقِ النَّسَمَةَ، وَفُكَّ الرَّقَبَةَ" فقَالَ: أَوَ لَيْسَتَا وَاحِدًا؟ قَالَ: "لَا، عِتْقُ النَّسَمَةِ أَنْ تَعْتِقَ النَّسَمَةَ، وَفَكُّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِينَ عَلَى الرَّقَبَةِ، وَالْمَنِيحَةُ الرَّغُوبُ، وَالْفَيْءُ عَلَى ذِي الرَّحِمِ، فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ، فَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ، وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ، فَكُفَّ لِسَانَكَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ".

اپنے ظالم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ دیہات کا رہنے والا ایک آدمی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ایسا عمل بتلا دیجیے جس پر عمل کر کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اگرچہ بات تو نے بڑی مختصر کی ہے لیکن اس کا مضمون بڑا لمبا چوڑا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا غلام کو آزاد کرا اور گردن کو چھڑا، اس دیہاتی نے پوچھا یہ دونوں عمل جو آپ نے ارشاد فرمائے یہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، غلام کو آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم پورا غلام خرید کر آزاد کرو، اور گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کی آزادی میں صرف حصہ لو (آگے تیسری بات ارشاد فرمائی کہ) بہت دودھ دینے والے جانور کو عاریت پر دے، اور رشتہ دار کو مال غنیمت میں سے حصہ دے۔ اگر تیرے اندر اس کی طاقت نہیں ہے تو

بھلی بات کا حکم کر اور بری بات سے روک، اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو اپنی زبان کو بری بات سے محفوظ رکھ اور اچھی بات کہہ۔

تشریح: اگر کوئی رشتہ دار ظلم اور زیادتی کرتا ہے پھر بھی آدمی اس کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے تو یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے، اسی کو اس حدیث میں بتلایا ہے۔

گردن چھڑانے میں حصہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام نے اپنے آقا کے ساتھ عقد کتابت کیا ہے کہ وہ اتنی رقم ادا کردے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا، اب اس رقم کی ادائیگی میں اور لوگ بھی مدد کرتے ہیں، تو یہ بھی گردن چھڑانے میں شامل ہوگا۔

عربی زبان میں دودھ کے لیے بطور عاریت جو جانور دیا جاتا ہے اس کو ''الْمَنِيحَةُ'' کہتے ہیں، اور الرَّغُوبُ کے معنی ہیں بہت زیادہ دودھ دینے والا جانور، یہ عمل بھی ان اعمال میں سے ہے جو آدمی کو جنت میں لے جائے گا۔

اس حدیث میں ظالم رشتہ دار کا لفظ نہیں آیا ہے، لیکن یہ روایت دوسری کتب حدیث میں بھی مروی ہے، ان میں لفظ ظالم آیا ہے۔

بَابُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ أَسْلَمَ

٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رضى الله عنه أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مِنْ صِلَةٍ، وَعَتَاقَةٍ، وَصَدَقَةٍ، فَهَلْ لِي فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ حَكِيمٌ: قَالَ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَت مِنْ خَيْرٍ''.

جس نے زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کی ہو پھر وہ شخص مسلمان ہوا

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں آپ نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! زمانۂ کفر میں جو میں نیکی کے کام کرتا تھا، صلہ رحمی کرنا، غلاموں کو آزاد کرنا اور اللہ تعالی کے راستے میں صدقہ کرنا وغیرہ وغیرہ، مجھے ان نیک کاموں پر ثواب ملے گا؟ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا انہی اعمال کی برکت سے تم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔

تشریح: مذکورہ حدیث کے تین مطلب بیان کیے ہیں:

۱) زمانۂ جاہلیت میں جو نیک کام آدمی کرتا ہے مثلاً اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، غلام کو آزاد کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ اس کے بعد وہ اسلام لاتا ہے تو انہی اعمال کی برکت سے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

۲) اسلام لانے سے پہلے جو نیک کام کیے تھے اسلام لانے کے بعد اللہ تعالی ان اعمال کا بھی اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

۳) ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ملنا یہ پہلی نیکی کے قبول ہونے کی علامت ہے۔

بَابُ صِلَةِ ذِي الرَّحِمِ الْمُشْرِكِ وَالْهَدِيَّةِ

٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنه، رَأَى عُمَرُ رضى الله عنه حُلَّةً

سِيَرَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَوِ اشْتَرَيْتَ هَذِهِ، فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَلِلْوُفُودِ إِذَا أَتَوْكَ، فَقَالَ: ''يَا عُمَرُ، إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ''، ثُمَّ أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا حُلَلٌ، فَأَهْدَى إِلَى عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً، فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، بَعَثْتَ إِلَيَّ هَذِهِ، وَقَدْ سَمِعْتُكَ قُلْتَ فِيهَا مَا قُلْتَ، قَالَ: ''إِنِّي لَمْ أُهْدِهَا لَكَ لِتَلْبَسَهَا، إِنَّمَا أَهْدَيْتُهَا إِلَيْكَ لِتَبِيعَهَا أَوْ لِتَكْسُوَهَا''، فَأَهْدَاهَا عُمَرُ لِأَخٍ لَهُ مِنْ أُمِّهِ مُشْرِكٍ .

غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور اس کو ہدیہ دینا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں سفید ریشم کا ایک دھاری دار جوڑا بکتے ہوئے دیکھا، اس کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ یہ جوڑا خرید لیں اور آپ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے جب تشریف لائیں، یا جب باہر کے وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ اسے زیب تن فرمالیں (تو اچھا ہوگا)؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر! اس لباس کو تو وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، ایک مدت کے بعد اسی طرح کے کچھ کپڑے (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور مشورہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہننے کے لیے عرض کیا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان جوڑوں میں سے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیہ میں دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ جوڑا آپ مجھے ہدیہ میں دے رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے اسی طرح کے جوڑے کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہی شخص اس قسم کا کپڑا پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں؟ اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ اے عمر! یہ جوڑا میں نے تجھے اس لیے نہیں دیا کہ تو اس کو پہنے، بلکہ میں نے تو یہ جوڑا اس لیے ہدیے میں دیا کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت استعمال میں لائے، یا کسی ایسی شخص کو دے جس کے لیے پہننا جائز ہے (مثلاً تمہارے گھر کی عورتیں، بیوی، بہن ماں وغیرہ) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اپنے ایک اخیافی بھائی جو مکہ میں رہتا تھا اور مشرک تھا اسے ہدیتاً دے دیا۔

تشریح: مذکورہ حدیث شریف سے چند چیزیں معلوم ہوئیں۔

جمعہ، عیدین اور لوگوں سے ملاقات کے وقت اچھے صاف ستھرے اور عمدہ کپڑے پہنے چاہئیں۔

حدیث شریف میں نفی عمدہ کپڑے کی نہیں، اس کپڑے کی نفی ہے جو ریشمی ہے، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں اسی حدیث سے جمعہ، عیدین اور وفود سے ملتے وقت عمدہ کپڑے پہننے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اگر کوئی شخص ہدیہ میں کسی کو ایسی چیز دے جس کا استعمال اس کے لیے ممنوع ہے، تو اس ہدیہ کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً اگر اپنے داماد کو ساس سونے کی انگوٹھی ہدیہ میں دے تو وہ خود تو نہیں پہن سکتا مگر اس ہدیہ کو قبول کر کے دوسرے لوگوں کو دے سکتا ہے۔

۱) حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیے میں دی گئی چیز کو آدمی بیچ بھی سکتا ہے، خود حضور فرما رہے ہیں کہ میرا دیا ہوا ہدیہ بیچ دے یا کسی اور کو دے دے، ادھر ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم نے کسی کو کوئی چیز ہدیہ میں دی اور اس نے اس کو بیچ دیا تو ہم ناگواری کا اظہار کرتے ہیں، جب حضور کا دیا ہوا ہدیہ خود حضور بیچنے کی اجازت دیتے ہیں تو اس کے سامنے ہمارے ہدیہ کی کیا حیثیت ہے؟ ہمارے معاشرے میں

اس طرح کے جو غلط خیالات ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے اس کی نفی ہوتی ہے۔

بَابُ تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ

۷۲ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَتَّابُ بْنُ بَشِيرٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، أَنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: "تَعَلَّمُوا من أَنْسَابِكُمْ، ثُمَّ صِلُوا أَرْحَامَكُمْ، وَاللهِ إِنَّهُ لِيَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ أَخِيهِ الشَّيْءُ، وَلَوْ يَعْلَمُ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ مِنْ دَاخِلَةِ الرَّحِمِ، لَأَوْزَعَهُ ذَلِكَ عَنِ انْتِهَاكِهِ".

اپنے نسبوں کو جانیے تاکہ تم صلہ رحمی کرسکیں

ترجمہ: حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ممبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا (تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ ثُمَّ صِلُوْا اَرْحَامَكُمْ) کہ اپنے نسبوں کو جانو پھر صلہ رحمی کرتے رہو، اللہ تعالی کی قسم، بسا اوقات دو آدمیوں کے درمیان دشمنی ہوتی ہے، اگر ان کو معلوم ہوتا کہ میرے اور اس کے درمیان کیا رشتہ داری ہے، تو یہ علم اس کو اس کے حقوق میں کوتاہی کرنے سے یا اس کی بے عزتی کرنے سے باز رکھتا۔

تشریح: باب کا جو عنوان ہے وہ بعینہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں جو "ترمذی شریف" کی روایت میں ہے کہ " تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْن به اَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلةَ الرَّحِمِ محَبة فى الْاَهل وَمَثْرَاتٌ فِى الْمَالِ وَمَنْسأة فى الْاَثرِ" کہ اپنے نسبوں کو معلوم کرو تاکہ اس کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں

کے حقوق ادا کر سکو، اس لیے کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا آپس میں محبت کو بڑھانے، مال میں زیادتی لانے اور عمر میں اضافہ ہونے کا سبب ہے۔

انساب کو جاننے کی چند وجوہات

(۱) پہلی وجہ: یہ کہ انسان جب انساب کو جانے گا تو اس کی وجہ سے اس کو معلوم ہوگا کہ کونسے رشتہ ایسے ہیں کہ ان سے نکاح جائز ہے اور کونسے رشتے ایسے ہیں جن سے نکاح جائز نہیں، اور یہ جاننا فرض ہے اس لیے کہ اس کے جانے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے سے بچ نہیں سکتا، مثلاً یہ کہ یہ میرا بھائی ہے، یہ میری بہن ہے، یہ میری بھتیجی ہے، یہ بھانجی ہے وغیرہ وغیرہ

(۲) دوسری وجہ: بہت سے احکام شرعیہ کی بنیاد ہی یہ رشتے ہیں اگر ان رشتوں کو نہیں جانے گا تو ان احکام کو کیسے ادا کرے گا۔

(۳) تیسری وجہ: بہت سی مرتبہ آدمی اپنے رشتہ داروں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق کو ضائع کرتا ہے، اگر پتہ چلتا کہ ان کے ساتھ تو ہماری یہ رشتہ داری ہے تو کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔

(۴) چوتھی وجہ: رشتہ داری کے جاننے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے شریعت نے رشتہ داروں کے حقوق کے جو درجات متعین کیے ہیں وہ جان سکے گا اور اس کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق جو شریعت نے اس پر لازم کیے ہیں وہ ادا کر سکے گا، جب معلوم ہوگا کہ یہ باپ ہے، یہ ماں ہے، یہ دادا ہیں، یہ دادی ہیں، یہ نانی ہیں، یہ نانا ہیں، یہ ماموں ہیں، یہ خالہ ہیں، یہ چچا ہیں، یہ پھوپھی ہیں، یہ ان کی

اولادیں ہیں، ان رشتوں کا علم ہوگا تب ہی حقوق ادا کرے گا، رشتوں کا علم ہی نہیں تو ان کے حقوق کو کیسے ادا کرے گا؟ اس لیے رشتوں کا جاننا ضروری قرار دیا گیا۔

قدیم زمانہ میں اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا، ہمارے زمانے میں اس کا اہتمام دن بدن کم ہوتا جارہا ہے، اور ہماری نئی نسل تو جو بالکل قریب کے رشتے ہیں ان کو بھی نہیں جانتی، مثلاً بہت سے تو ایسے ہیں جن کو دادا تک کا نام معلوم نہیں۔ اگر دادا حیات ہیں تب تو ٹھیک، ورنہ بہت سارے بچے یہ بھی نہیں جانتے کہ دادا کس کو کہتے ہیں؟ کہ باپ کے باپ کو دادا کہتے ہیں، دور کے دوسرے رشتے کا تو پوچھنا ہی کیا؟

میں برطانیہ گیا تھا، وہاں میں نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو! حدیث میں تو نبیٔ کریم ﷺ نے رشتوں کو جاننے کا حکم دیا ہے، انگریزی زبان ایسی ہے کہ اس میں رشتہ داروں کی پہچان کرانے کے لیے الفاظ بہت محدود ہیں، مثلا ہمارے یہاں اردو گجراتی میں باپ کے باپ کو دادا اور ماں کے باپ کو نانا کہتے ہیں، لیکن انگریزی میں دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ہے، grandfather اسی طرح باپ کی ماں کو ہم دادی اور ماں کی ماں کو نانی کہتے ہیں، لیکن ان کے ہاں ایک ہی لفظ ہے grandmother ہم باپ کے بھائی کو چچا اور ماں کے بھائی کو ماموں کہتے ہیں، لیکن انگریزی میں دونوں کو uncle کہیں گے، اسی طرح باپ کی بہن کو پھوپھی اور ماں کی بہن کو خالہ کہتے ہیں، لیکن ان کے ہاں دونوں کے لیے auntie کا لفظ بولا جاتا ہے، پھر ہماری زبان میں ہر ایک کی اولاد کے لیے الگ الگ نام ہیں، مثلا ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی وغیرہ، لیکن ان کے ہاں سب ہی کے لیے ایک ہی لفظ ہے cousin، کوئی تفصیل نہیں۔ تو میں نے کہا کہ ان لوگوں کو رشتہ داری کے حقوق تو ادا

کرنے نہیں ہیں تو ان کو ان ناموں کی تفصیل کی کیا ضرورت ہے؟ (لیکن ہمیں تو یہ تفصیلات اپنے بچوں کو بتلانی چاہیے تاکہ وہ رشتہ داری کا حق ادا کر سکیں)۔

حدیث شریف کا خلاصہ یہ کہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم کچھ وقت نکال کر اپنے بچوں کو ان رشتوں سے واقف کرائیں، ویسے بھی بچوں کو ایسی چیزوں میں دل چسپی ہوتی ہے کہ فلاں سے کیا تعلق ہے اور کس طرح کا تعلق ہے؟

٧٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يُحَدِّثُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه، أَنَّهُ قَالَ: احْفَظُوا أَنْسَابَكُمْ، تَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّهُ لَا بُعْدَ بِالرَّحِمِ إِذَا قَرُبَتْ، وَإِنْ كَانَتْ بَعِيدَةً، وَلَا قُرْبَ بِهَا إِذَا بَعُدَتْ، وَإِنْ كَانَتْ قَرِيبَةً، وَكُلُّ رَحِمٍ آتِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمَامَ صَاحِبِهَا، تَشْهَدُ لَهُ بِصِلَةٍ إِنْ كَانَ وَصَلَهَا، وَعَلَيْهِ بِقَطِيعَةٍ إِنْ كَانَ قَطَعَهَا.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنے نسبوں اور رشتوں کو یاد رکھو تاکہ اس کی وجہ سے رشتہ داری کے حقوق تم ادا کر سکو، رشتہ داری کا حق جب ادا کیا جاتا ہے تو پھر کوئی دوری نہیں رہتی، چاہے وہ رشتہ داری کتنی ہی دور کی کیوں نہ ہو، اور اگر رشتہ داری کا حق ادا نہ کیا جائے تو پھر قریب کے رشتے بھی قریب کے نہیں رہتے، اور ہر رشتہ داری قیامت کے روز اس کے پاس آئے گی، اگر اس نے اس کا حق ادا کیا تھا تو یہ رشتہ داری اس کے حق میں گواہی دے گی، اور اگر اس نے رشتہ داری کے حقوق کو ادا نہیں کیا تھا تو یہی رشتہ داری اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کے یہاں گواہی دے گی۔

تشریح: (احْفَظُوا أَنْسَابَكُمْ، تَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ) والی حدیث شریف کے دو مطلب ذکر کیے ہیں:

(۱) پہلا مطلب، رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے سے وہ قائم رہتی ہے اور ہری بھری رہتی ہے، جیسے پودے کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کو پانی پلاتے ہیں تو وہ قائم رہتا ہے اور ہرا بھرا رہتا ہے، اسی طرح ان تعلقات کے حقوق کو ادا کریں گے تو یہ تعلقات تازہ اور باقی رہیں گے اور آپس میں محبتیں قائم رہیں گی، چاہے کتنی ہی دور کی رشتہ داری کیوں نہ ہو، اور اگر ان کے حقوق ادا نہیں کریں گے، نہ سلام کلام کا تعلق رکھا، نہ آپس میں اٹھنے بیٹھے کا معاملہ رکھا تو وہ رشتہ دار اگرچہ سگا بھائی بھی کیوں نہ ہو اس کے باوجود ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا وہ بہت دور کا رشتہ دار ہے۔

(۲) دوسرا مطلب: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز رشتہ داری کو بڑی شیریں اور بڑی فصیح وبلیغ زبان عطا کرے گا اور وہ اپنی اس زبان سے اس شخص کے حق میں گواہی دے گی جس نے اس کا حق ادا کیا ہوگا، اور اس شخص کے خلاف گواہی دے گی جس نے اس کا حق ادا نہیں کیا ہوگا، ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا میں جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا، وہاں قیامت میں اس کا نتیجہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گا۔

بَابُ: هَلْ يَقُولُ الْمَوْلَى: إِنِّي مِنْ فُلَانٍ؟

٧٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَائِلُ بْنُ دَاوُدَ اللَّيْثِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ قَالَ: قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رضى الله عنه: "مِمَّنْ أَنْتَ؟" قُلْتُ: مِنْ تَيْمِ تَمِيمٍ، قَالَ: مِنْ أَنْفُسِهِمْ أَوْ مِنْ مَوَالِيهِمْ؟ قُلْتُ: مِنْ مَوَالِيهِمْ، قَالَ: فَهَلَّا قُلْتَ: مِنْ مَوَالِيهِمْ إِذًا؟

کیا آزادکردہ غلام اپنی نسبت آزاد کیے ہوئے خاندان کی طرف کرسکتا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن ابی حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ تمہارا تعلق کن لوگوں سے ہیں؟ تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ کہا کہ خاندان بنوتمیم کی ایک شاخ ہے تیم (اور بھی تیم ہیں تیم الرباب، اسی طرح تیم التمیم، تمیم ایک بڑا خاندان ہے اس کی ایک شاخ بنوالتیم ہے) کہا کہ میں تیم التمیم سے تعلق رکھتا ہوں کہا کہ خاص اسی خاندان کے فرد ہو؟ یا ان کے آزادکردہ غلام ہو؟ کہا کہ میں ان کا آزادکردہ غلام ہوں، تو کہا کہ یہ کیوں نہیں کہا کہ میں اس خاندان کے غلاموں میں سے ہوں؟ صرف اتنا کیوں بولے کہ اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں؟ تفسیر کرنی چاہیے تھی تا کہ سننے والے کو غلط فہمی نہ ہو۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب: کسی خاندان کی نسبت کے دوطریقے ہیں:
پہلا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص جس خاندان میں پیدا ہوا اس خاندان کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اس کو نسباً تعلق کہا جاتا ہے، جیسے اگر کوئی شخص ہاشمی خاندان میں پیدا ہوا ہوتو وہ اپنے کو آپ کو ہاشمی کہتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی شخص کا آزادکردہ غلام ہوتو وہ بھی اپنی نسبت اس خاندان کی طرف کرتا ہے، مثلاً اگر بنوہاشم کے کسی شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا تو اس غلام کو بھی ہاشمی مولاً بولتے ہیں یعنی یہ شخص ولاء کے اعتبار سے ہاشمی ہے، دونوں ہاشمی ہیں لیکن ایک حقیقتاً ہاشمی ہے اور دوسرا مجازاً ہاشمی۔ دونوں کے احکام بھی الگ ہیں، اس لیے حدیث میں کہا گیا کہ صرف ہاشمی نہ کہو، بلکہ یہ بھی بتلاؤ کہ نسباً ہاشمی ہے یا مولاً۔

بَابُ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

٧٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ عُبَيْدٍ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رضي الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعُمَرَ رَضِيَ الله عَنْهُ: "اجْمَعْ لِي قَوْمَكَ"، فَجَمَعَهُمْ، فَلَمَّا حَضَرُوا بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهِ عُمَرُ رضى الله عنه فَقَالَ: قَدْ جَمَعْتُ لَكَ قَوْمِي، فَسَمِعَ ذَلِكَ الْأَنْصَارُ فَقَالُوا: قَدْ نَزَلَ فِي قُرَيْشٍ الْوَحْيُ، فَجَاءَ الْمُسْتَمِعُ وَالنَّاظِرُ مَا يُقَالُ لَهُمْ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ فَقَالَ: "هَلْ فِيكُمْ مِنْ غَيْرِكُمْ؟" قَالُوا: نَعَمْ، فِينَا حَلِيفُنَا وَابْنُ أُخْتِنَا وَمَوَالِينَا، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حَلِيفُنَا مِنَّا، وَابْنُ أُخْتِنَا مِنَّا، وَمَوَالِينَا مِنَّا، وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ: إِنَّ أَوْلِيَائِي مِنْكُمُ الْمُتَّقُونَ، فَإِنْ كُنْتُمْ أُولَئِكَ فَذَاكَ، وَإِلَّا فَانْظُرُوا، لَا يَأْتِي النَّاسُ بِالْأَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَتَأْتُونَ بِالْأَثْقَالِ، فَيُعْرَضَ عَنْكُمْ"، ثُمَّ نَادَى فَقَالَ: "يَاأَيُّهَا النَّاسُ - وَرَفَعَ يَدَيْهِ يَضَعُهُمَا عَلَى رُءُوسِ قُرَيْشٍ - أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ قُرَيْشًا أَهْلُ أَمَانَةٍ، مَنْ بَغَى بِهِمْ - قَالَ زُهَيْرٌ: أَظُنُّهُ قَالَ: الْعَوَاثِرَ - كَبَّهُ الله لِمَنْخِرَيْهِ"، يَقُولُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .

آزاد کردہ غلام بھی قوم میں شمار کیا جائے گا

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو میرے واسطے جمع کیجیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جمع کیا، جب سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ پر آ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے آپ کے لیے اپنی قوم کو جمع کر لیا ہے۔ جب انصار کو پتہ چلا کہ آج تو مہاجرین کو یعنی قریش کو جمع کیا گیا ہے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ ضرور قریش کے سلسلے میں کوئی وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس لیے ان میں سے بھی کچھ لوگ دیکھنے سننے کے لیے پہنچ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان تشریف لائے اور کہا کہ کوئی دوسرا اور آدمی تو نہیں ہے؟ کہا کہ ہاں! ہیں، ہمارے بعض حلیف، ہمارے بھانجے، اور ہمارے آزاد کردہ غلام بھی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے حلیف ہمارے خاندان میں سے ہیں، ہمارے بھانجے ہمارے خاندان میں سے ہیں اور ہمارے آزاد کردہ غلام بھی ہمارے خاندان میں سے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سنو کہ تم میں میرے دوست اور میرے قریب وہ ہیں جو گناہوں سے بچنے والے ہیں، اب اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو، اگر تم میں یہ صفت ہو تو ٹھیک، ورنہ دیکھ لو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز دوسرے لوگ تو اعمال صالحہ لے کر آویں اور تم گناہ لے کر کے آؤ، اور تمہاری طرف سے مجھے رُخ پھیرنا پڑے، اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور قریش کے سروں پر ہاتھ رکھا اور زور سے فرمایا اے لوگو! اہل قریش اہل امانت ہیں، جو ان کے ساتھ سرکشی کرے گا اور ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نتھنوں کے بل گرائے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا، یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

تشریح: اس حدیث سے چند چیزیں معلوم ہوئیں: (۱) اگر کوئی شخص کسی خاندان کا آزاد کردہ غلام ہے تو اس کے لیے اپنے آپ کو اس خاندان کی طرف منسوب کرنے کی گنجائش ہے۔

(۲)اسلام سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ کسی دوسرے قبیلہ کا کوئی آدمی مکہ میں آ کر مقیم ہوتا تھا اور وہاں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا تھا، تو کسی کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا تعلق قائم کیا جاتا تھا، اس تعلق کو حِلف کہتے ہیں اور اس شخص کو حلیف کہتے ہیں۔

(۳)حدیث شریف میں جو فرمایا کہ قریش اہل امانت ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اور اقتدار کی امانت ان کے ہاتھ میں دی گئی ہے جس کو دوسری حدیث میں الأئمة من قریش کہا گیا، یعنی خلافت قریش میں رہے گی۔

(۴)اس حدیث شریف سے یہ بھی پتہ چلا کہ جب کوئی مخصوص جماعت کو جمع کیا جاوے تو اس مخصوص جماعت کے علاوہ دوسروں کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔

غزوۂ حنین کے موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حنین میں حاصل شدہ مال غنیمت کو نئے اسلام لائے ہوئے مکہ مکرمہ کے افراد پر تقسیم کر دیا تو بعض انصار کو اس پر ناگواری ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب پتہ چلا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس (یا سعد بن عبادہ) رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انصار کو جمع کرو، ان کو جمع کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سرخ قبے کے اندر تشریف لائے، اور پہلا سوال یہ کیا کہ یہاں انصار کے علاوہ کوئی دوسرا تو نہیں؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علماء کو یا تجار کو یا کوئی خاص جماعت کو بلایا جاتا ہے تو انہیں لوگوں کو جانا چاہیے (دوسرے لوگوں کو وہاں نہیں جانا چاہیے)

بَابُ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ أَوْ وَاحِدَةً

٧٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ عِمْرَانَ

أَبُو حَفْصٍ التُّجِيبِيُّ، عَنْ أَبِي عُشَّانَةَ الْمَعَافِرِيِّ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ''مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، وَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ''.

اس شخص کی فضیلت کا بیان جس نے ایک یا دو لڑکیوں کی پرورش کی

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس آدمی کی تین بیٹیاں ہوں اور ان کی پرورش میں جو تکلیفیں آئیں ان پر صبر کرے اور اپنی حیثیت کے مطابق ان کو کپڑے دے تو یہ لڑکیاں کل قیامت کے دن اس کے لیے آڑ بن جائیں گی۔

تشریح: اپنی اولاد کی پرورش آدمی پر لازم ہے چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، لیکن لڑکیوں کی پرورش کے سلسلے میں نبیٔ کریم ﷺ نے خصوصاً تاکید فرمائی، کیوں کہ وہ کمزور صنف ہیں، وہ اپنا انتظام خود نہیں کر سکتی، اس لیے ان کے متعلق خاص وصیت وہدایت دی ہے کہ بھائی! ان کی پرورش کا اہتمام کیا جائے یہاں تک کہ وہ تمہاری خدمت سے مستغنی ہو جائیں، اگر ایسا کیا تو وہ لڑکیاں تمہارے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔

٧٧ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فِطْرٌ، عَنْ شُرَحْبِيلَ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُدْرِكُهُ ابْنَتَانِ، فَيُحْسِنُ صُحْبَتَهُمَا، إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ''.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس مسلمان نے دو بچیوں کو پالا، ان کا حق صحبت اچھی طرح سے

ادا کیا تو یہ لڑکیاں اس کو جنت میں داخل کرائیں گی۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب جس کے یہاں دو لڑکیاں ہیں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، ان کی پرورش کرتا ہے، ان کے حقوق ادا کرتا ہے، ان کو علم و اخلاق سے آراستہ کرتا ہے، ان کے کھانے پینے اور پہننے کی ضرورتوں کا پورا انتظام کرتا ہے، یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک میں کوئی کمی نہیں کرتا تو یہ دونوں لڑکیاں اس کو جنت میں داخل کرنے کا سبب بنیں گی۔

بہت سی مرتبہ لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کیا جاتا ہے، ان کا حق صحبت اچھی طرح سے ادا نہیں کیا جاتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں یہ لڑکیاں اس کو جہنم میں داخل کرنے کا سبب بنیں گی، اس لیے لڑکیوں کے سلسلے میں اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ گھروں میں لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ زیادتی ہوتی ہے، جو سلوک بھلائی کا لڑکے کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ لڑکی کے ساتھ نہیں کیا جاتا، صبح پورا ناشتہ لڑکے کو دیں گے اور لڑکی کو خالی روٹی دیں گے، لڑکے کے ساتھ جتنی محبت کا معاملہ کرتے ہیں لڑکی کے ساتھ اتنی محبت کا معاملہ نہیں کیا جاتا، لڑکا جو فرمائش کرے وہ پوری کی جاتی ہے اور لڑکی کی طرف سے کبھی کوئی فرمائش ہوئی تو کبھی پوری کر دی، اور اگر دوسری مرتبہ فرمائش کی تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی، اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس معاملے میں مردوں سے زیادہ عورتیں آگے ہیں، حالانکہ یہ اسی کی صنف سے تعلق رکھتی ہیں۔ خیر بہر حال بچیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا خاص اہتمام ہونا چاہیے۔

۷۸ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه حَدَّثَهُمْ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ’’مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، يُؤْوِيهِنَّ، وَيَكْفِيهِنَّ، وَيَرْحَمُهُنَّ، فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ‘‘، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَعْضِ الْقَوْمِ: وَثِنْتَيْنِ، يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: ’’وَثِنْتَيْنِ‘‘.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے لیے رہائش کا انتظام کرے اور ان کی کفایت کرے، ان کی ضرورتیں پوری کرے یعنی کھانے پینے، پہننے اور رہنے سہنے کا انتظام کرے اور ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرے تو یقیناً اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ اگر کسی کی دو ہی بیٹیاں ہوں تو اے اللہ کے رسول؟ تو فرمایا کہ دو ہوں تب بھی (اس کے لیے وہی فضیلت ہے)۔

بَابُ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ

۷۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُكْمِلٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ بَشِيرٍ الْمُعَاوِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ’’لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، أَوْ ثَلَاثُ أَخوات فَيُحْسِن إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ‘‘.

تین بہنوں یا بیٹوں کی پرورش کرنے کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ کسی آدمی کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں اوران کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے ان کی ناز برداری کرتا ہے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ والد کا انتقال ہوتے ہی گھر کی ساری ذمہ داری بڑے لڑکے پر آجاتی ہے، اور چھوٹی دوسری بہنیں ہیں ان بہنوں کی ساری ذمہ داری بھی بڑے بیٹے پر آجاتی ہے، اگر وہ اپنی اس ذمہ داری کو نبھائے گا اور اپنی بہنوں کا برابر خیال رکھے گا تو اس کے لیے یہ فضیلت ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

احادیث میں بہنوں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی فضیلت آئی ہے، لیکن عام طور پر لوگ اس طرح کی ذمہ داری کو بڑی تکلیف کی چیز سمجھتے ہیں، ان کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بہنوں کی خدمت کا موقع دیا ہے، اور اپنی طاقت اور اپنی حیثیت کے مطابق جتنا ہوسکے اپنی بہنوں کا خیال رکھنے میں کوئی کمی نہ کرے یہاں تک کہ ان کے دل میں یہ خیال بھی نہ آئے کہ بھائی نے ہماری ضرورتوں کی طرف توجہ نہیں دی اور ہمارا خیال نہیں رکھا، ہمارے ابا نہیں اس لیے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا، ابا کی موجودگی میں ان کی جو ناز برداری ہوتی تھی بھائی کو چاہیے کہ اسی طرح ان کی ناز برداری کرے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ عَالَ ابْنَتَهُ الْمَرْدُودَةَ

٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُرَاقَةَ ابْنِ جُعْشُمٍ رضي الله عنه: ''أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَعْظَمِ الصَّدَقَةِ، أَوْ مِنْ أَعْظَمِ الصَّدَقَةِ؟'' قَالَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: ''ابْنَتُكَ مَرْدُودَةٌ إِلَيْكَ، لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ''.

اس آدمی کی فضیلت جس نے اپنی لوٹی ہوئی بیٹی کی پرورش کی

ترجمہ: حضرت سراقہ ابن جعشم رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو سب سے بڑا صدقہ نہ بتلاؤں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتلایئے، تو فرمایا کہ تمہاری اس بیٹی کی ضرورتوں کا خیال کرنا جو تمہارے پاس واپس آئے، جس کا تمہارے علاوہ کوئی اور کمانے والا اور نگرانی کرنے والا نہ ہو۔

تشریح: ماں باپ بچپن سے اپنی بیٹیوں کی پرورش کرتے ہیں، اور بڑی محبت سے کرتے ہیں، پھر جب وہ بڑی ہوجاتی ہیں اوران کی شادی ہوجاتی ہے تو ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اب ان سے سبک دوش ہوگئے اور ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ داماد کا انتقال ہوگیا اور بیٹی بیوہ ہوکر رہ گئی اور گھر واپس آ گئی، یا خدانخواستہ اس کی طلاق ہوگئی اب بیٹی کی ساری ذمہ داری ماں باپ پر دوبارہ آ گئی، اور ماں باپ کے علاوہ اس بچی کی ضرورت پوری کرنے والا یا کمانے والا اور کوئی نہیں، اب اگر ماں باپ اس بچی پر خرچ کریں گے تو وہ سب سے بڑا صدقہ شمار کیا جائے گا، اس لیے کہ ایک بے سہارا شخص کی مدد کررہے ہیں، اور ساتھ ساتھ وہ بیٹی ہے تو صلہ رحمی کا اور صدقہ کا ثواب بھی ملے گا۔

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

جب نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر ہجرت شروع کیا تو پہلے تین دن آپ ایک غار میں چھپے رہے، پھر تین دن کے بعد تلاش اور جستجو کا سلسلہ ختم ہوگیا تو آپ نے آگے سفر شروع کیا، اب

چونکہ مکہ والوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو شخص آپ کا پتہ لاکر دے گا اس کو سو اونٹوں کا انعام دیا جائے گا، تو یہ سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ اپنا گھوڑا لے کر نبی کریم ﷺ کی تلاش اور جستجو میں نکلے، راستہ میں انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھ لیا اور آپ کے قریب پہنچ گئے، جب بالکل قریب پہنچے تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھسنے لگے، انہوں نے عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعا کر دیجیے کہ میرے گھوڑے کے پاؤں نکل آئیں، اور میں آپ کا پتہ کسی کو نہیں دونگا، بلکہ جو آئے گا ان کو بھی روک دوں گا۔ چنانچہ آپ نے ان کے لیے دعا کی اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اے سراقہ! تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ملک فارس فتح ہوا اور کسریٰ کا سارا خزانہ اور اس کی ساری دولت مدینہ منورہ لائی گئی، اس میں تاج بھی تھا اور کنگن بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ کنگن ان کے ہاتھ میں پہنائے اور کنگن پہنا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے جس نے کسریٰ سے کنگن کو چھین کر سراقہ کو پہنائے۔

٨١ - حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُوسَى قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ جُعْشُمٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَا سُرَاقَةُ!" مِثْلَهُ .

دوسری سند سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

٨٢ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ بَحِيرٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رضي الله عنه، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ''مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَمَا أَطْعَمْتَ خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ''.

ترجمہ: حرات مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جوتم اپنی ذات کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے، جو اپنی اولاد کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے، جو اپنی بیوی کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔

تشریح: آدمی اپنی ذات پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے، لیکن ضروری ہے کہ اس وقت دل میں یہ نیت کرے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری ذات کا خیال رکھنے کا بھی حکم دیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے کے لیے خرچ کر رہا ہوں، گو یا اللہ تعالی سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے یہ کر رہا ہوں۔

اللہ تعالی کے حکم کو پورا کرنے کے لیے سارے کام کرنا شروع شروع میں ذرا مشکل ہوگا، لیکن جب بار بار اس کی مشق کرتا رہے گا تو آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی اور پھر دھیرے دھیرے یہ بات ذہن میں بیٹھ جائے گی اور یہ استحضار رکھنا آسان ہو جائے گا اور پھر ہمارے ہر چھوٹے بڑے، دنیوی اخروی سارے کام عبادت شمار ہونے لگیں گے۔

بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَتَمَنَّى مَوْتَ الْبَنَاتِ

٨٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ،

عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْحَارِثِ أَبِي الرَّوَّاعِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما: أَنَّ رَجُلًا كَانَ عِنْدَهُ، وَلَهُ بَنَاتٌ فَتَمَنَّى مَوْتَهُنَّ، فَغَضِبَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما فَقَالَ: أَنْتَ تَرْزُقُهُنَّ؟

لڑکیوں کی موت کی تمنا کا ناپسندیدہ ہونا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، اس آدمی کی چند بیٹیاں تھیں، راوی کہتے ہیں اس نے اپنی بیٹیوں کی موت کی تمنا کی تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو غصہ آیا اور فرمایا کہ تو ان کو روزی دیتا ہے کہ ان کی موت کی تمنا کرتا ہے؟

تشریح: کبھی آدمی جب بہت ہی غریب اور محتاج ہوتا ہے اور آمدنی سے زیادہ اس کا خرچہ ہوتا ہے، اور اولاد کی کثرت بھی ہوتی ہے تو ان کے نان ونفقہ کے بوجھ سے وہ بسا اوقات اپنی اولاد کی ذمہ داری نہ ادا کر سکنے کی فکر میں اولاد کی موت کی تمنا کرنے لگتا ہے، اگر نرینہ اولاد ہے تو ان کا بوجھ بہت دیر تک نہیں رہتا اس لیے کہ کچھ بڑے ہوکر باپ کے کام میں ہاتھ بٹانے لگ جاتے ہیں لیکن بچیوں کا بوجھ دیر تک رہتا ہے، اور پھر شادی کرانا مستقل ایک بوجھ اور ایک ذمہ داری ہے، اس وجہ سے بیٹیوں کی موت کی تمنا بیٹوں کے مقابلہ میں زیادہ کرتا ہے۔

اگر ایسی حالت کسی پر آجائے تو اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ میری ذمہ داری تو اتنی ہی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ان کے حقوق کو ادا کروں، اگر اتنا کرلے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائے گا، یہ تمنا کرنا کہ وہ مرجائیں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

بَابُ الْوَلَدُ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ

٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ هِشَامٌ، عنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ الله عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ الله عَنْهُ يَوْمًا: وَاللهِ مَا عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ رَجُلٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ عُمَرَ رضي الله عنه، فَلَمَّا خَرَجَ رَجَعَ فَقَالَ: كَيْفَ حَلَفْتُ أَيْ بُنَيَّةُ؟ فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: أَعَزُّ عَلَيَّ، وَالْوَلَدُ أَلْوَطُ .

اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہے

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کہا ''اللہ تعالی کی قسم روئے زمین پر کوئی آدمی میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب نہیں'' (یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کا تذکرہ ہے) اس کے بعد آپ گھر سے باہر تشریف لے گئے، پھر لوٹے اور آکر فرمایا اے بیٹی! میں نے ابھی کیا قسم کھائی تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ روئے زمین پر میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا أحب إلي کے بجائے أعز علي، یعنی روئے زمین پر عمر سے زیادہ کوئی عزیز نہیں۔ پھر فرمایا اولاد دل سے زیادہ لگی ہوئی رہتی ہے۔

تشریح: اولاد بخیل اور بزدل بناتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سوچتا ہے کہ میری اولاد کا کیا ہوگا؟ اس خیال سے خرچ کرنے سے رکتا ہے، اسی طرح میدان جہاد میں جہاں جان دینے کا وقت آتا ہے اس موقع

پر بھی آدمی اپنی اولاد ہی کی وجہ سے جھجکتا ہے کہ اگر میں مر گیا تو میری اولاد کا کیا ہوگا؟ یہی چیز اس کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے، گویا یہی اولاد آدمی کو بخیل بھی بناتی ہے اور بزدل بھی بناتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بات کہی، پھر اس پر تردد ہوا کہ یہ بات صحیح نہیں تو تبدیلی کی، اس لیے کہ اولاد کی محبت دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہی ہوتی ہے۔

اللہ والے اپنی زبان سے نکلنے والے ہر ہر لفظ کے بارے میں بار بار سوچتے ہیں کہ میں نے جو کہا وہ ٹھیک کہا یا نہیں۔ حضرت مولانا آفتاب عالم صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے ہیں، وہ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں، ایک مرتبہ جب وہ ڈابھیل تشریف لائے تھے تو اپنے والد ماجد حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے والد پر کسی آدمی کا خط آیا کہ میری والدہ یا کوئی اور قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت اس خط کا جواب مجھ سے لکھوا رہے تھے کہ آپ کی والدہ کے انتقال کی خبر سن کر بہت رنج ہوا، بہت رنج ہوا یہ جملہ لکھوانے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر گئے، پھر فرمایا کہ ’’بہت‘‘ کا لفظ مٹا دو، پھر وجہ بیان فرمائی کہ میں نے کہا کہ ’’بہت رنج ہوا‘‘، پھر میں نے اس پر غور کیا کہ کیا واقعتاً ایسا ہے؟ کیا میرے دل میں یہ کیفیت ہے کہ بہت رنج ہوا؟ مجھے تردد ہوا اور یہ کٹوا دیا تا کہ یہ جھوٹ نہ ہو جائے، یہ حضرات اپنی زبان سے نکلنے والی ہر بات کا حساب لیتے تھے کہ کہیں نادانستہ طور پر کوئی جھوٹا جملہ بھی زبان سے نہ نکل جائے۔

٨٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي يَعْقُوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما إِذْ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضَةِ؟ فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَقَالَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضَةِ، وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ''هُمَا رَيْحَانَيَّ مِنَ الدُّنْيَا''.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ عراق کے رہنے والے ایک شخص نے آکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مچھر کے خون کے متعلق سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تو کہاں کا ہے؟ کہا کہ عراق کا ہوں، فرمایا کہ دیکھو اس شخص کو! مجھ سے مچھر کے خون کا مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہے اور ان لوگوں نے حضور کے بیٹے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اس کی کوئی فکر نہیں، میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں یعنی حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دونوں میرے پھول ہیں۔

تشریح: اس قصہ کو بیان کرنے والے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم رحمہ اللہ تابعی ہیں، وہ بڑے عبادت گذار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، آپ کے متعلق کہا گیا کہ اگر آپ سے کہا جاتا کہ آج آپ کی زندگی کا آخری دن ہے، شام کو موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے والا ہے، تو بھی روزانہ کے جو معمولات ہیں ان میں کوئی فرق نہ آتا، گویا انہوں نے اپنے لیے جو نظام الاوقات بنایا تھا یہ سمجھ کر ہی بنایا تھا کہ ہر دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔

حدیث شریف کا مطلب: سائل نے مچھر کے متعلق جو سوال کیا اس کی ایک

وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ سائل حالت احرام میں ہوگا اور حالت احرام میں مچھر مار دیا ہوگا تو اس کے متعلق مسئلہ پوچھا، یا یہ کہ مچھر مار دیا جس کی وجہ سے جسم یا کپڑے پر خون لگ گیا اور اس کے بارے میں سوال تھا۔ جو بھی صورت ہو اس نے جب مسئلہ پوچھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ عراق سے، اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے حضور کے بیٹے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو شہید کر دیا، اس خون کی کوئی فکر نہیں، اور تھوڑا سا مچھر کا خون کپڑے کو لگ گیا اس کی بڑی فکر ہوگئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ کے قریب کربلا نامی ایک جگہ پر پیش آئی تھی، عراق والوں نے حضور ﷺ کے نواسے کو قتل کر دیا اس کے متعلق تو پوچھتے نہیں اور یہ شخص مچھر کے خون کا مسئلہ پوچھنے آیا۔ یعنی جو اہم ہے اس کی کوئی فکر نہیں اور غیر اہم کی فکر کر رہے ہیں۔

حضور ﷺ کو اپنے نواسوں سے بہت محبت تھی، آپ ﷺ حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں، ان کو پھول اس لیے فرمایا کہ جس طرح پھولوں کو سونگھا جاتا ہے اسی طرح بچوں کو بھی ناک رخسار کے ساتھ لگا کر سونگھتے ہیں۔

بَابُ حَمْلِ الصَّبِيِّ عَلَى الْعَاتِقِ

٨٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضى الله عنه يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ عَلَى عَاتِقِهِ، وَهُوَ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ، إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ".

بچے کو کندھے پر اٹھانے کا بیان

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھے پر تھے اور ساتھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرما رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما!

تشریح: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق بخاری شریف کی ایک روایت ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار سے لوٹ رہے تھے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر پہنچے تو گھر میں داخل ہوتے ہی دروازہ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بچہ کہاں ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وقت چھوٹے تھے اور ابھی ہی چلنے لگے تھے، جب حضور کی آواز سنی تو آگے بڑھنے لگے، جب وہ آگے بڑھنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ پھیلا دیئے، حضرت حسن نے بھی اپنا ہاتھ پھیلایا اور آکر حضور کے سینہ سے چمٹ گئے، آپ نے اپنی بانہوں میں ان کو لے لیا اور ساتھ میں آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر، اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی تو محبت کر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی محبوب میری نگاہوں میں نہیں رہا، اس لیے کہ جب ان سے محبت کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ہم کو حاصل ہوگی۔

اس حدیث شریف سے صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اپنی اولاد کے ساتھ اس

طرح کا محبت کا معاملہ کرنا کہ ان کو اٹھالینا، ان کو بوسہ دینا، ان کو کندھے پر بٹھانا، سر پر بٹھانا یہ سب اولاد سے محبت کرنے میں شمار ہے۔

بَابُ الْوَلَدُ قُرَّةُ الْعَيْنِ

٨٧ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: جَلَسْنَا إِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رضي الله عنه يَوْمًا، فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَقَالَ: طُوبَى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَيْنِ رَأَتَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاللهِ لَوَدِدْنَا أَنَّا رَأَيْنَا مَا رَأَيْتَ، وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ. فَاسْتُغْضِبَ، فَجَعَلْتُ أَعْجَبُ، مَا قَالَ إِلَّا خَيْرًا، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ: "مَا يَحْمِلُ الرَّجُلُ عَلَى أَنْ يَتَمَنَّى مُحْضَرًا غَيَّبَهُ الله عَنْهُ؟ لَا يَدْرِي لَوْ شَهِدَهُ كَيْفَ يَكُونُ فِيهِ؟ وَاللهِ، لَقَدْ حَضَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامٌ كَبَّهُمُ الله عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي جَهَنَّمَ، لَمْ يُجِيبُوهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوهُ، أَوَلَا تَحْمَدُونَ الله عَزَّ وَجَلَّ إِذْ أَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُونَ إِلَّا رَبَّكُمْ، فَتُصَدِّقُونَ بِمَا جَاءَ بِهِ نَبِيُّكُمْ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدْ كُفِيتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ، وَاللهِ لَقَدْ بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَشَدِّ حَالٍ بُعِثَ عَلَيْهَا نَبِيٌّ قَطُّ، فِي فَتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ، مَا يَرَوْنَ أَنَّ دِينًا أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، وَفَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ، حَتَّى إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَرَى وَالِدَهُ أَوْ وَلَدَهُ أَوْ أَخَاهُ كَافِرًا، وَقَدْ فَتَحَ الله قُفْلَ قَلْبِهِ بِالْإِيمَانِ، وَيَعْلَمُ أَنَّهُ إِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ، فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهُ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ حَبِيبَهُ فِي النَّارِ"،

وَأَنَّهَا لِلَّتِي قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ [الفرقان:]

اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

ترجمہ: حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ان کے پاس سے گذرا اور ان کو دیکھ کر کہنے لگا کیسی مبارک ہیں یہ دونوں آنکھیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی، (یعنی جن کو حضور اکرم ﷺ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا) اور پھر کہنے لگا اللہ تعالی کی قسم ہماری دلی خواہش تھی کہ ہم بھی دیکھتے وہ جو تم نے دیکھا اور ان حالات کا مشاہدہ کرتے جن کا تم نے مشاہدہ کیا۔

(یعنی نبی کریم ﷺ کا زمانہ تم نے پایا کاش ہم بھی پاتے تا کہ ہم بھی آپ کے دیدار سے مستفیض ہوتے) اس کی بات سن کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا، حضرت جبیر ابن نفیر کہتے ہیں کہ ان کے غصہ ہونے کی کیفیت کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ اس آدمی نے تو اچھی بات کہی ہے اس میں غصہ ہونے کے کیا معنی؟ پھر کہتے ہیں کہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالی عنہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ بھائی! آدمی کو کونسی چیز اس بات پر آمدہ کرتی ہے کہ ایک ایسے زمانہ کی تمنا کرے جس سے اللہ تعالی نے اس کو دور رکھا، جبکہ اس کو معلوم نہیں کہ اگر وہ اس زمانہ کو پاتا تو اس کا کیا حال ہوتا؟

اللہ تعالی کی قسم نبیٔ کریم ﷺ کا زمانہ بہت سے لوگوں نے پایا جن کو اللہ تعالی نے اوندھے منہ جہنم میں ڈالا، انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپ پر ایمان نہیں لائے، کیا تم لوگ اس بات پر اللہ تعالی کی حمد وثنا نہیں کرتے کہ اللہ تعالی نے تم کو ایسے زمانہ میں پیدا کیا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کو تم پہچانتے ہی نہیں اور حضور ﷺ جن چیزوں کو لے کر آئے اسی کی تم تصدیق کر رہے ہو اور آزمائش کا زمانہ دوسروں نے اٹھایا، اللہ تعالی کی قسم نبیٔ کریم ﷺ

ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے کہ کوئی بھی نبی ایسی سخت حالت میں نہیں بھیجا گیا یعنی جاہلیت اور فترت کا زمانہ تھا (یعنی اس زمانے سے پہلے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا) اور وہ لوگ بت پرستی میں ایسے مبتلا تھے کہ وہ اسی کو سب سے بہتر دین سمجھ رہے تھے۔ پھر نبیٔ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلم کھلی ایسی دلیل لے کر آئے جس نے حق اور باطل کے درمیان تمیز کر دی اور باپ اور بیٹے کے درمیان بھی فرق کر دیا۔ اور بسا اوقات آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کا باپ، اس کا بیٹا، یا اس کا بھائی کافر ہے جب کہ اللہ نے اس کے دل کو ایمان کے لیے کھول دیا، اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میرا باپ، میرا بھائی، اور میرا بیٹا اگر اسی حالت میں مرا تو جہنم میں جائے گا اور اس کی آنکھیں اس سے ٹھنڈی نہیں ہوں گی اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ تو جہنم میں جائے گا۔

وَأَنَّهَا لِلَّتِي قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ [الفرقان:]

اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ کہ ایمان والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں، ہماری بیوی اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطاء فرما!

تشریح: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں، غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں کا ایک ہی گھوڑا تھا، یہی گھوڑے پر سوار تھے، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ سے مشرکین کا لشکر اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کی غرض سے نکل چکا ہے، حضور اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشورہ کے واسطے جمع کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ اس لیے کہ اب حالات بدل گئے تھے اور لشکر سے مقابلے کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ اس سلسلے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے معلوم کریں، تو حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے کہ جب نبیؐ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اب کیا کیا جائے؟ تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے جیسا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ آپ اور آپ کے رب جایئے اور لڑیئے اس لیے کہ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو آپ کی دائیں طرف سے، آپ کی بائیں طرف سے، آپ کے آگے سے اور آپ کے پیچھے سے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ بات سن کر نبیؐ کریم ﷺ کا چہرا خوشی سے چمکنے لگا اور خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمنا کرنے لگے کہ کاش یہ جملہ میری زبان سے نکلا ہوتا تا کہ یہ سعادت مجھے حاصل ہوتی۔

حدیث شریف سے یہ بھی پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس حال میں اور جس زمانہ میں رکھا ہے وہی ہمارے لیے بہتر ہے، آدمی کو اس پر دل سے راضی رہنا چاہیے، بیشک آپ ﷺ کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا، مگر اس زمانہ میں ایمان لانا اور ایمان لانے کے بعد ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا یہ سب کے بس کی بات نہیں تھی، اسی لیے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو فرمایا کہ بھائی یہ ضروری نہیں کہ تم وہ زمانہ پاتے تو تم بھی اسی حالت میں (یعنی مسلمان) ہوتے، اس لیے کہ اللہ تعالی نے تم کو ایسے ماحول میں پیدا کیا کہ چاروں طرف ایمان والا ماحول ہے، تم سب کو ایمان والا ہی پا رہے ہو، تمہارا باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور تمہارا پورا خاندان سب ہی مسلمان ہیں، اس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی ہیں، اس سے خوش ہونا چاہیے،

اس کی کیوں تمنا کرتے ہو کہ اللہ تعالی نے جس زمانے میں تم کو پیدا نہیں کیا اس میں پیدا ہوتے جب کہ تم کو پتہ نہیں کہ کیا ہوتا؟